جولائی ۱۹۸۱

ماہنامہ

حیات نو

"ان رنگ برنگے سوشلسٹوں کو اگر بھلوں سے تشبیہ دی جائے تو بعض ان میں سے چقندر کی طرح اندر باہر دونوں طرف سے سرخ ہوتے ہیں، اور بعض ان میں امرود کی طرح، اوپر سے سفید اور اندر سے سرخ ہوتے ہیں اور مذہبی معاشرہ لیے اب ایک نئی قسم "ثمر قندو بخارا براﺅنڈ" کی ایجاد ہو رہی ہے، جو تربوز کی مانند اوپر سے بالکل سبز اور اندر سے سرخ ہوتی ہے، مسلمانوں کے ملکوں میں سوشلسٹوں کی اس خاص قسم کی بہت ضرورت ہے، کیونکہ اس کی سبز لیبل سے مسلمانوں کو ایک طویل عرصے تک دھوکے میں رکھا جا سکتا ہے"۔

(اسعد گیلانی)

ANJUMAN TALBA-E-QADEEM
جامعۃ الفلاح بلریا گنج ۔ اعظم گڑھ یو پی (ہند)
BILARIAGANJ - AZAMGARH (U.P.) INDIA
انجمن طلبۂ قدیم

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی طالب

غزل

دوستی کا واں صلہ ملتا ہے غداری کے ساتھ
چاہیے جنسِ وفا ان کو جفاکاری کے ساتھ

پوچھتے ہو اس مریضِ زار کی قسمت کا حال
کھیلتا ہے خود مسیحا جس کی بیماری کے ساتھ

تشنگی سے جاں بلب منت کشِ دریا نہ ہو
مرگ بہتر ہے اگر ہو عشق خودداری کے ساتھ

زہر اور تریاق دونوں جمع ہیں اک جا کہیں
ہو رہی ہے گل فشانی بھی شرر باری کے ساتھ

اک طرف شانِ تغافل اک طرف لطف و کرم
پنبۂ مرہم بھی ہے ہر نشتر کاری کے ساتھ

ہیں لباسِ کامیابی میں نہاں ناکامیاں
میری قسمت سو رہی ہے شانِ بیداری کے ساتھ

دل کے ویرانے کا بسنا تا دیر ممکن نہیں
ہے خمیر اس کا بہم وجہ تبہ کاری کے ساتھ

مستیاں اس زندگی کی ہیں باعثِ رشکِ خرد
عرش تک جس کی پہنچ ہے شغلِ میخواری کے ساتھ

سعیِ لاحاصل ہے تیری طالبِ گم کردہ ہوش
کامرانی چاہتا ہے تو زیاں کاری کے ساتھ

(۲۴ جولائی ۱۹۳۲ء)

ماہنامہ

حیاتِ نو

مدیر منتظم نور محمد فلاحی

مدیر تحریر عبید اللہ فہد

اس شمارہ کی قیمت ۳/-

سالانہ زرِ تعاون ۱۵/۰

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا سالانہ زرِ تعاون ختم ہو گیا ہے، براہ کرم سالانہ زرِ تعاون مبلغ -/۱۵ جلد از جلد ارسال فرمائیں۔

✲ اس رسالے کے ہر مضمون کو حوالہ کے ساتھ نقل کیا جا سکتا ہے۔ اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

جلد نمبر ۳، شمارہ نمبر ۵، ۶، ۷، بمطابق

رجب، شعبان ۱۴۰۰ھ

جون، جولائی ۱۹۸۰ء

مطبوعہ نشاط پریس ٹانڈہ

دھڑکنیں — حیاتِ نو کے نقوش

یہ لٹتے ہوئے کاروانِ زندگی — اداریہ — ۳

فکر و نظر

تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی — ۵۷

طاغوت اور اسکی جڑیں — سید اسعد گیلانی — ۳

شریعت اور قانون میں بنیادی فرق — تخلیق عالم فلاحی — ۱۸

تہذیب اسلامی کے تابندہ نقوش — عبید اللہ فہد — ۲۷

علم کا مفہوم اسلام کی نگاہ میں — ڈاکٹر بدیع الزمان الطہری — ۳۰

سکریٹ نوشی میں صحت و تعلیم کا کردار — سر جارج کاڈربر — ۴۴

صدائے انقلاب

آئیے نئے انقلاب کی تیاری کریں — ابوالمکارم فلاحی — ۲۲

ایٹمی میزائیلوں کی زد میں — ابرار احمد فائق — ۱۶

ہنگری اور افغانستان پر روسی حملہ کی بے جوڑ مثال — ہنگرین جرنلسٹ — ۵۴

نوجوانوں کا امام

نوائے درد دل — عبداللہ مدینہ منورہ — ۲۹

تعمیری ادب

سکون کہاں ہے — طارق احسن فلاحی — ۴۷

دریائے خون کے کنارے — نسیم حجازی پاکستان — ۳۳

کشتِ لالہ و گل

آئیے ہو جائیں حق کے نام پر ہم متحد — حفیظ رحمانی — ۴۳

غزل — رحمت رانجوی — ۱۵

منظوم: جماعت اندیشی السلام — شمیم سبحانی — ۱۴

حلقۂ یاراں: جماعت تبلیغ کی زہر افشانی — ڈاکٹر اقبال احمد

تبلیغی اصحاب پر توجہ درکار ہے — عبدالرقیب

سعودی دولت — فتنہ — ظہیرالدین فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار: ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی آمد، اجلاس تعلیمی کمیٹی، سالانہ امتحان اور تعطیل۔

دھڑکنیں

تحریک ادب میں صحافت انسانی ذہن کو ڈھالنے کا ایک
موثر ذریعہ ہے —— (مجدد مودودیؒ)

یہ لٹتے ہوئے کارواں زندگی کے

اس وقت ملک ہلاکت اور بربادی کے دہانے پر کھڑا ہے، مصلحت بیں، ابن الوقت، بے ضمیر اور کوتاہ اندیش سیاست نے پورے ملک میں اخلاقی انارکی اور سفاکانہ بہیمیت کی آگ لگا دی ہے، وطن عزیز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں، آسام منی پور ناگالینڈ اور تری پورہ میں خاک و خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، اور ہمارے حکمراں دلی کے ایرکنڈیشنڈ محلات میں بیٹھ کر کرسیوں کی جوڑ توڑ اور اقتدار کی سازشوں میں مصروف ہیں۔

اس نازک صورت حال میں ہم وطن کے بہی خواہ نوجوانوں کو آواز دیتے ہیں کہ وہ ملک کی حفاظت اور اخلاقی و سماجی قدروں کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، اس بیمار معاشرے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور اس کے کھنڈر پر ایک ایسا سماج تشکیل دیں جس کی بنیادیں اخوت و محبت، ہمدردی و غمگساری ایثار و قربانی، دیانت داری اور اخلاقی قدروں پر ہوں، جہاں کسی آسام و منی پور کا وجود نہ ہو، جہاں کسی رام کشور کو وحرت ننگے پر ڈنڈے نہ کھانے پڑیں، جہاں کسی قمر کی معصومیت سے نہ کھیلا جا سکے، جہاں سارے انسان بھائی بھائی ہوں، جہاں عزت و شرافت یوں سر راہ نیلام نہ کی جا سکے، جہاں سے ڈاکٹر قاتل نہ ہوں، اور جہاں کسی ساحر لدھیانوی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے:—

یہ چکلے، یہ نیلام گھر دلکشی کے
یہ لٹتے ہوئے کارواں زندگی کے
کہاں ہیں کہاں ہیں محافظ خودی کے
ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں

مدد چاہتی ہے یہ حوا کی بیٹی
یشودھا کی ہم جنس رادھا کی بیٹی
پیمبر کی امت زلیخا کی بیٹی

ثنا خوان تقدیس مشرق کو لاؤ
یہ منظر یہ گلیاں یہ کوچے دکھاؤ

طاغوت اور اُسکی جڑیں

ہر اسلامی تحریک دراصل اطاعتِ الٰہی اور بندگیٔ رب کی تحریک ہوتی ہے، اور خدا کے بندوں کو خدا کی بندگی اور اطاعت کی دعوت دینا ہی اس کا مشن اور نصب العین ہوتا ہے، جب انسانی معاشرہ خدا سے سرکشی، خالق کائنات سے بے تعلق فرض شناسی، جبر و تشدد، ظلم و ستم، حق داری، غلام آزاری، مادہ پرستی اور ظاہر پرستی کا شکار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سامان کر دیتا ہے کہ خدا کے بندوں کو ان کے مقصدِ زیست سے آگاہ کرنے کا انتظام کیا جائے اور مظلوموں کی دست گیری کی جائے، کمزوروں اور مظلوموں کی دست گیری کے لئے ہی اسلامی تحریک وجود میں آتی ہے۔

ہر تحریکِ اسلامی تین نکات پر مشتمل دعوت لے کر اٹھتی ہے :-

(۱) اللہ وحدہ لاشریک ہی حقیقی اللہ ہے، اس کی اطاعت اور بندگی ہی ہر گوشے میں کرنی چاہئے۔

(۲) انسانوں کی زندگیوں میں وہ سب کچھ فاسد ہو جانا چاہئے جو اللہ تعالیٰ سے سرکشی کے نتیجہ پر پیدا ہو گیا ہے

(۳) ان تمام طاغوتوں کو اقتدار اور احکام الٰہی کے مناصب سے علیحدہ کرنا چاہئے جو خالق کائنات کے احکام سے مستغنی اور بے نیاز ہو کر اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق احکام جاری کرتے اور انسانیت کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتے ہیں۔

ہر اسلامی تحریک کو کسی نہ کسی طاغوت سے واسطہ پڑتا ہے اور طاغوت وہی ہوتا ہے جو اپنی سرکشی سے خدا کے قوانین کو نظر انداز کر کے اپنے احکام جاری کرتا ہے

طاغوت وہ ہے، جو ہر اسلامی تحریک کا حریف ہوتا ہے اس کے بارے میں آگاہی بہت ضروری ہے۔

مشہور مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن جلد اول میں سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶ کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَہَا۔

ترجمہ: "جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں"

طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائیگا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے، جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرنے لگے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔

خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں

(۱) پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً تو خدا کی بندگی ہی

برحق مانے، مگر عملاً خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرے، اس طرز عمل کا نام فسق ہے۔

(۲) سرکشی یا طاغوتیت کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا ادارہ خدا کی فرماں برداری سے اصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے، یا خدا کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے۔

(۳) سرکشی کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک کی بندگی سے باغی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے۔

یہی پوزیشن نمرود، ہامان، فرعون اور دوسرے سرکش لوگوں نے اپنے اپنے دور اقتدار میں اختیار کی تھی (یہ خدا کے احکام کی موجودگی میں اپنے احکام جاری کرنے کا مقام)۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے اور اس کے خلاف جنگ کرنا مومن کے ایمان کا عین تقاضا ہے، کفر بالطاغوت کا یہی مفہوم ہے۔

جب تک کوئی شخص اس طاغوت کا انکار نہ کرے وہ مومن نہیں ہو سکتا، قرآن یہی بات کہتا ہے، کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ یہی کیفیت ایمان کی علامت ہے، یہی وہ مضبوط سہارا ہے، جسے پکڑنے کا حکم مومن کو دیا گیا ہے اس لئے کہ اللہ پر ایمان کا تقاضا لازماً طاغوت سے کفر اور اس کے حکم و اختیار سے انکار ہے۔ اس سے تعاون کرنا یا اس کی سربراہی کو جائز تسلیم کرنا ایمان کے منافی ہے اس لئے کہ جو اللہ سے سرکشی اختیار کرتا ہے مومن کا فرض ہے کہ اس سے براءت کا راستہ اختیار کرے۔ جو شخص خدا سے منہ موڑ کر زندگی کے راستے پر چلتا ہے، وہ ایک طاغوت ہی نہیں بے شمار طواغیت کے نرغے میں آجاتا ہے، ان میں ایک طاغوت انسان کا اپنا نفس یا شیطان بھی ہوتا ہے، جو اس کے سامنے نت نئی ترغیبات کے سبز باغ سجا سجا کر پیش کرتا ہے، پھر اس کے قریبی چاہنے والے ہوتے ہیں، جن کے مفادات اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ اسے اپنے چکروں میں لئے پھرتے ہیں، اور کہ خاندان دوست، احباب، سوسائٹی، قوم، پیشوا، رہنما، حکومت، اور اس کے کارندے، سب طاغوت ہی طاغوت بن کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں، جن میں سے ہر ایک اسے اپنی اغراض کی بندگی کرانا چاہتا ہے، اور بے شمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے کہ کس آقا کو خوش کرے اور کس کی ناراضی سے بچے۔

قرآن مسلمانوں کو اس امر سے بھی متنبہ کرتا ہے کہ جب کوئی گروہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول ؐ کی ہدایت کو پس پشت ڈال دیتا ہے جو اپنے سرداروں اور رہنماؤں کے پیچھے لگ جاتا ہے، جو خدا و رسول ؐ کے مطیع فرمان نہ ہوں، جو اپنے مذہبی پیشواؤں اور سیاسی حاکموں سے ان کے اقوال و احکام کے بارے میں کتاب و سنت کی سند پوچھے بغیر ان کی اطاعت کرنے لگتا ہے تو وہ گروہ ان خرابیوں میں مبتلا ہونے سے نہیں بچ سکتا جن میں طاغوتوں کی شکار پہلی امتیں مبتلا ہوتی رہی تھیں۔

اسی بات کو سورۃ النساء کی آیت ۶۰ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:۔

"اے نبی! تم نے دیکھا نہیں، ان لوگوں کو جو دعوے تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔"

(النساء ۶۰)

یہاں طاغوت سے واضح مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہے، اور اس نظام کا ذکر ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہے اور

نہ اپنے فیصلے میں اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہے، اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جو عدالت قانون الٰہی سے روگردانی کے سبب طاغوت کے حکم میں آتی ہے، اس کے پاس فیصلہ حاصل کرنے کے لئے جانا بھی ایمان کے منافی ہے۔ قرآن کی رو سے اللہ پہ ایمان اور طاغوت سے کفر لازم و ملزوم ہے اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا منافقت ہے، اسی لئے ان لوگوں کو ظالم، فاسق اور کافر قرار دیا گیا جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی حاکمیت کا حقیقی مالک ہے تو پھر فیصلہ کرنے کے لئے دوسرا جو بھی ہوگا وہ سرکش، مشرک اور ظالم و فاسق ہی شمار ہوگا۔

یہ طاغوت ایک فرد بھی ہو سکتا ہے، ایک نظام مملکت اور نظام عدالت بھی ہو سکتا ہے، وہ پارلیمنٹ بھی ہو سکتی ہے جو خدا کے قوانین کی بجائے اپنے قوانین آزادی سے وضع کرے اور وہ کوئی شخصیت حاکم بھی ہو سکتی ہے جو خدا کے قوانین کو نظر انداز کر کے اپنے ضابطے جاری کرے، ایسے طاغوت کو بدلنا اور احکام الٰہی کو جاری کرنا ہی ہر تحریک اسلامی کا مقصد وحید ہوتا ہے۔

درحقیقت سب سے بڑا طاغوت تو نظام باطل ہی ہوتا ہے، جسے کوئی نظام حکومت چلاتا ہے، یہ نظام اپنے مجموعی اثرات سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مقابلے میں اپنی حاکمیت کو نافذ اور جاری کرتا ہے اور یہ خیال نافذ اور قائم ہوتا ہے، وہاں دین حق قائم نہیں ہوتا، ایسی حالت میں مومن کا فرض یہ ہوتا ہے کہ ایسے سرکش طاغوت اور اللہ کے باغی نظام کو مٹا کر اللہ کا مطلوبہ نظام اسلامی جاری کیا جائے جس میں حاکمیت صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کی قائم ہو اور احکام سارے خدا اور رسول کے چلیں۔

یہ کام سرانجام دینے کے لئے صرف اتنی سی بات کافی نہیں ہے کہ طاغوتی نظام کے سربراہ کو ہٹا دیا جائے۔ ایران کے اسلامی انقلابیوں نے اس کا بار بار تجربہ کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ سرکشی پر قائم نظام باطل محض کسی ایک فرد کا کرشمہ نہیں ہوتا، بلکہ نظام باطل یا طاغوتیت کی جڑیں پورے انسانی معاشرے میں دور دور تک پھیلی ہوتی ہیں، جیسے آکٹوپس کی آٹھ ٹانگیں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے شکار کو پکڑتا اور اس کا خون چوستا ہے، اس طرح طاغوتی نظام بھی کسی انسانی معاشرے پر آکٹوپس کی مانند ہوتا ہے اور اس کی بھی دور حاضر میں کم از کم آٹھ جڑیں ایسی ہوتی ہیں جن کو اگر مکمل طور پر اکھاڑا نہ جائے صرف طاغوتی نظام کے سربراہ کا ہی سر کاٹ دیا جائے تو اس کی جگہ اگر کوئی ولی اللہ بھی لا کر بٹھا دیا جائے تب بھی معاشرے میں پیوست طاغوتی نظام کی جڑیں اپنے ولی اللہ قسم سربراہ کو تھوڑی سی مدت میں اپنے طاغوتی اور فکری تعلیم و تربیت سے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں اور نیا سربراہ طاغوتی نظام کی جڑوں سے پیوست اور منسلک ہو کر ویسا ہی طاغوت بن جاتا ہے جیسا ایک طاغوتی نظام اسے اپنے مقصد کے لئے بنانا چاہتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی تدریجی اور اصلاحی عمل سے طاغوت کی جڑیں اور اس کے دست و بازو اپنا مزاج بدل کر اسی نظام کے کل پرزے بننے کے قابل ہو جائیں، الا یہ کہ ان کی موثر بالہیئت تقلیب اس تدبیر کے تحت کی جائے جو تدبیر اللہ اور اس کے رسول نے انقلاب اسلامی کے لئے مقرر کی ہے۔

ایرانی انقلاب کے اسلامی مفکرین کی رائے میں طاغوت وقت کی آٹھ جڑیں ہوتی ہیں اور جن کے سہارے آج کا ایک نظام طاغوت کھڑا ہوتا ہے جب تک یہ جڑیں موجود ہوں یہ ممکن نہیں ہے کہ محض کسی سربراہ کی تبدیلی سے نظام زندگی میں تبدیلی آ سکے۔

آج کے طاغوتی نظام کے آکٹوپس کی آٹھ جڑیں یا بازو ہیں جنہیں کاٹنا اور ان سے طاغوتی نظام کا سہارا قطع کرنا

ضروری ہے تاکہ نظامِ حق برپا ہو سکے

بدکردار چودھری۔

ان میں سب سے نمایاں وہ طبقہ ہے جو کسی معاشرے کے بگاڑ کے دور میں معاشرے کی ہر سطح پر عوام میں چودھراہٹ اور سربراہی کے مقام پر فائز ہوتا ہے، نظامِ طاغوت اپنے ان کارندوں کو مراعات دیتا ہے، جاگیریں، ٹھیکے، انعامات اور خطابات مہیا کرتا ہے اور انھیں عوام کو اپنے ظالمانہ نظام کے شکنجے میں جکڑے رکھنے کے لئے استعمال کرتا ہے، وہ نظامِ طاغوت سے ملی بھگت رکھتے، باہمی مشترک مفادات رکھتے اور ایک دوسرے کے تعاون سے عوام کو اپنے پنجے میں کس کر رکھتے ہیں، اگر جمہوری نظام ہو تو عوام کے ووٹوں کو کھینچنے کے لئے تمام غیر اخلاقی حربے استعمال کرتے ہیں، نظامِ طاغوت کے کارندوں سے مل کر عوام کو مختلف قانونی شکنجوں میں پھانستے اور پھر انھیں رشوت کے بدلے چھڑا کر ممنون کرتے اور ان سے تبادلے میں ووٹ حاصل کرتے ہیں، یہ شیطانی چکر چلتا رہتا ہے اور ہر چند عوام ان چودھریوں کے شکنجے میں کسے ہوئے، ان کے مظالم سے نالاں، لیکن انھیں کو ووٹ دے کر بار بار اپنے اوپر لادنے پر مجبور ہوتے ہیں، فرداً فرداً کسی شخص میں یہ ہمت نہیں ہوتی کہ ان سے بغاوت کر سکے، اور اگر کرنے کی جرأت کرے تو نظامِ طاغوت کے یہ کارندے مل جل کر غنڈوں، چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں کی مدد سے ایسے خوددار افراد کو کچل دیتے ہیں اور انھیں ایسی عبرت ناک سزا دیتے ہیں کہ پھر کسی میں حریتِ فکر کی یہ جرأت نمودار نہیں ہوتی۔

یہ نظامِ طاغوت کا وہ ستون ہے جس پر ہمارا معاشرہ کھڑا ہے، آپ بار بار انتخاب کرائیے، لوگوں کو وعظ و تلقین کیجیے، اچھے لوگوں کی صفات اور برے لوگوں کے کرتوت بتائیے، لیکن نتیجہ صفر ہوگا، کوئی فرد جرأت نہ کر سکے گا کہ ہمت کر کے ان ظالموں کے خلاف جا سکے جو ظالم لوگوں کے مویشی چوری کروا سکتے ہیں، انھیں قتل کے مقدمات میں پھنسا سکتے، اور ان کی بہو بیٹیوں کو اغوا کر سکتے ہیں، جب تک عوام کو ان کے مظالم سے تحفظ نہ ملے، وہ ان کے خلاف جانے کی جرأت نہیں کر سکتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے خلافت کا بوجھ اٹھاتے ہی جو کام سب سے پہلے کیا تھا، وہ سابقہ نظام کی دی ہوئی جاگیروں اور مراعات کا خاتمہ تھا، لیکن اس سے زیادہ انھیں بھی اس طبقے نے مہلت نہ دی۔

فائن بیوروکریسی عرف افسر شاہی

نظامِ طاغوت کا دوسرا مضبوط پایا افسر شاہی ہوتی ہے جس پر سارا نظام کھڑا ہوتا ہے، افسر شاہی میں ایک ایک فرد ذاتی حیثیت میں کتنا ہی تعلیم یافتہ یا شائستہ کیوں نہ ہو، وہ مل جل کر جو طبقہ بنتا ہے، جبر و تشدد، ناجائز استحصال، کرپشن، غیر ملکی دل و دماغ، ذہنی غلامی، مغرب زدگی، غیر ملکی رجحانات، اسراف و تبذیر، آمدن سے زیادہ خرچ اور خرچ سے زیادہ خواہشات کا جاہل مرکب طبقہ ہے، یہ بگاڑ کا مال ہے، یہ سگریٹ کے قیمتی پیکٹ سے لے کر، کروڑوں روپے کے ہیر پھیر میں مبتلا طبقہ ہے، اس کا دین مفاد پرستی، اس کا مذہب زر پرستی، اور اس کا قبلہ و کعبہ افسرِ بالا کی خواہش پرستی ہوتی ہے، اس کو ہر نئے حکمران کو اپنے طلسمی شیشے میں اتار لینے کا فن آتا ہے، خوشامد، شائستہ غلامی اور حکمران کے اشارۂ چشم و ابرو پر اپنی عزتِ نفس تک نچھاور کر دینے کی مہارت ہوتی ہے، یہ اپنے بڑے کیلئے موم کی ناک اور اپنے چھوٹے اور کمزور کے لئے لوہے کا چنا ہوتا ہے۔

یوں تو گرگٹ کی طرح اسے ہر رنگ میں ڈھلنا آتا ہے لیکن بالعموم اس کے دو ہی رنگ نمایاں ہوتے ہیں، اس کا اصلی رنگ اور نقلی رنگ، ہر نئے حکمران کے رنگ میں الوان

رات ڈھل جانا، یہ اس کا نقلی رنگ ہے اور پھر ستارہ ریخ حکمراں کو اپنے رنگ میں رنگ لینا اس کا اصلی رنگ ہے اور اس کا اصلی رنگ عیش پرستی اور ترقیاں مارنا ہے، خدا، رسول، ملک، قوم، حب الوطنی، ایثار و قربانی، ہمدردی، غیرت، عزت، یہ سارے الفاظ اس کی لغت میں درج ضرور ہیں لیکن ان کا کوئی مفہوم نہیں ہے، اس کی لغت میں یہ الفاظ اپنے معنی کھو چکے ہیں، یہ طبقہ اپنے اس مزاج کے ساتھ جب تک موجود ہے، کسی اسلامی نظام کی آمد کا تصور کرنا سراب سے پانی نچوڑنے کے مترادف ہے۔

بد دیانت تاجر

یہ طبقہ بھی اس قدر بگڑا ہوا ہے، جس قدر بدکردار بیوروکریٹ اور خائن افسر بگڑا ہوا ہے، مہنگائی، ملاوٹ، اشیاء کی بلیک، اشیاء کا مصنوعی قحط اور نایابی، مارکیٹ میں بحران پیدا کرتے رہنا، نفع کا تناسب شے کی حقیقی قیمت سے دوگنا، تگنا رکھنا اور اس پر بھی مطمئن نہ ہونا، بلکہ جعلسازی، قحط سازی اور اخلاق سوزی کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے، یہ بدکردار افراد کا پشت پناہ، راشی افسروں کا فراخ دست آموز، اور سرکاری خزانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کے بجائے رشوت کے ذریعے درمیانی افسر کے درمیان لاکھوں کے گز سے سرکاری ٹیکسوں کو باہم بانٹ لینے والا فنکار ہوتا ہے، معاشرے میں بار بار کے معاشی بحران یہ پیدا کرتا ہے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ جس قوم کے اندر بیٹھ کر وہ یہ ساری ظالمانہ کارروائیاں کرتا ہے، وہ اس کی اپنی قوم ہے۔ اگر ایک چور اور جیب کترے کی خواہش نفس کو یکجا جمع کر لیا جائے تو وہ بد دیانت تاجر کہے جو نہ جائز و ناجائز کی پرواہ کرتا ہے، نہ حرام و حلال کے چکر میں پڑتا ہے، اور نہ حب الوطنی اور ملت دوستی کا خیال کرتا ہے اس کے ہاتھ میں معاشی سر رشتہ ہے اور وہ ایک ایک کا خون اس کی رگوں کے آخری قطرے تک نچوڑنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ ایسے تاجر کی موجودگی میں کسی صالح انقلاب کی توقع رکھنا، زہر سے تریاق تلاش کرنے کی آرزو ہے۔

سرمایہ پرست مترفین

جو لوگ کسی نظام میں مال و دولت جمع کرتے اور سرمایہ دار بن جاتے ہیں وہ یا تو اس نظام کے چہیتے لوگ ہوتے ہیں، یا کم از کم وہ اس نظام کے مزاج کے عین مطابق ہوتے ہیں، اس لئے اس نظام کا معاشی بیلوان کو سازگار آتا ہے اور وہ اس کی رواداری اور مدد و تعاون سے مالدار ہو جاتے ہیں، ایسے لوگ ہمیشہ اس نظام کو قائم رکھنا چاہتے ہیں، جس نے انھیں مال و دولت سے نوازا ہوتا ہے، وہ پسند نہیں کرتے کہ حالات ایسا پلٹا کھا جائیں کہ ان کے لئے مالی منفعت کی سازگاری باقی نہ رہے، اس لئے قرآن نے نظام باطل کے مترفین کو مستقل اسلامی انقلاب کے مخالف قرار دیا ہے۔ بیشتر اوقات یہی اصلاحات کے مخالف، زر پرستی، ذات پرستی، عیش پرستی اور زر پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

قرآن نے فرمایا:-

"ہر اس طعنہ باز، نکتہ چیں پر تباہی ہے جس نے دولت سمیٹی اور اسے گن گن کر رکھا، وہ سمجھتا ہے کہ اس کی دولت ہمیشہ اس کا ساتھ دے گی"

مزید فرمایا:-

"جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کر رکھتے ہیں، اور ان کو اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے، ان کو عذاب الیم کی خوشخبری سنا دیجئے"

اور وہ خوشخبری یہ ہے:

"سونے، چاندی کی ٹکیوں کو تپا تپا کر ان سے ان کی پیشانیاں پر داغا جائے گا"

ان بخیلوں (مالداروں) کے متعلق یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال انھیں دے رکھا ہے، وہ ان کے لئے مفید ہے نہیں، بلکہ وہ ان کے لئے مضر ہے، قیامت کے دن ان کی

کنجوسی کا سارا حاصل طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:۔

"خدا کی قسم وہ لوگ خسارے میں ہیں، جو یوں اور یوں، دائیں بائیں خرچ نہیں کرتے۔"

ان مترفین کی ساری تگ و دو اپنی دنیا سنوارنے اور بنانے پر صرف ہوتی ہے، وہ دنیا جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"یہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے حقیقت ہے، جتنا تمہارے نزدیک بکری کا مردہ بچہ ہے۔" (صحیح مسلم)

مزید فرمایا:۔

"دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں، ان بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے جتنا آدمی کے دین کو مال اور عزت و جاہ کی حرص تباہ کرتی ہے۔"

(ترمذی)

مزید فرمایا:۔

"بندۂ دنیا، خدا کی رحمت سے محروم ہو، بندۂ دنیا خدا کی رحمت سے دور ہو۔" (ترمذی)

مترفین اور سرمایہ دار کسی معاشرے کی جونکیں ہوتی ہیں، جو بے زر نادار لوگوں کا خون چوستی اور نظامِ باطل کی پرورش کا سامان کرتی ہیں، جس معاشرے میں ایسے مترفین کی قدر ہو اور کثرت بھی ہو، وہ معاشرہ نظامِ باطل کے لئے نہایت سازگار ماحول رکھتا ہے۔

دنیادار علماء سوء

لفظ عالم سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، علم دین کو دنیا کمانے کے لئے استعمال کرنے والے دنیادار مولوی کا کام سب سے زیادہ ناپاک اور گھٹیا کام ہوتا ہے، وہ سب سے بڑی برائی کی اینٹ ہوتا ہے۔ حضور اکرم نے جن تین افراد کا حشر ارشاد فرمایا، ان میں پہلا وہ ہے جو بظاہر علم دین حاصل کر کے درس اخلاق دیتا ہے، لیکن اس کا مقصد درس اخلاق نہیں، بلکہ طلب منفعت ہوتا ہے، دوسرا وہ جو بظاہر شہید ہوتا ہے لیکن اس کا مقصد بہادری جتانا ہوتا ہے، تیسرا وہ جو وعظ کہتا ہے، لیکن مقصد اپنے علم کی نمائش ہوتا ہے۔

دنیادار عالم سے بڑھ کر دین کا دشمن اور کوئی نہیں ہو سکتا، اور نظام باطل کی مضبوط جڑوں میں سے یہ بھی اس کی ایک مضبوط جڑ ہوتا ہے اس لئے کہ وہ دین کا راستہ روکنے کا فن جانتا ہے، اسلامی تحریک کو مطعون کرنا اور ایسے کارکنوں کو کافر قرار دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے، وہ امت میں تفرقے ڈالتا، ان کو آپس میں لڑا کر طاغوت کو تقویت پہنچاتا ہے، وہ جتاتا ہے کہ وہ پاسبان ہوتا ہے، جبکہ اس کا کام بے کرتوتوں کی حفاظت اور ان کی قدامت ثابت کرنا ہے دنیادار مولوی سے دین و ایمان پناہ مانگتے ہیں۔

دنیادار عالم کتاب و سنت کے بجائے اپنے مخصوص وضع کردہ بے دلیل معتقدات کو معیار حق قرار دیتا ہے، وہ اپنے لئے علیحدہ مسجد بناتا ہے اور دوسروں کے ساتھ مسجدوں کے جھگڑے کرتا ہے۔ وہ امت مسلمہ کو فرقوں میں بانٹ کر ان کو باہم لڑاتا ہے اور اس لڑائی کے ذریعہ اپنی لیڈری معیشت اور حیثیت پیدا کرتا ہے۔

طاغوت کی جڑیں مضبوط کرنا علماء سوء کا تاریخی کردار رہا ہے۔

انہی علماء سوء کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا:۔

"یہ فقیہ اور فریسی (علماء شریعت) اپنے سب کام لوگوں کو دکھانے کو کرتے ہیں، اپنے تعویذ بڑے بناتے، اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے،

ضیافتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ مسندیں، بازاروں میں سلام، اور لوگوں سے ربی (علامہ) کہلانا پسند کرتے ہیں۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو، نہ آپ داخل ہوتے ہو، نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو، اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دگنا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔"

"اے اندھی راہ دکھانے والو! تم مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ نگل جاتے ہو۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مردوں کی ہڈیاں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوتی ہیں، تم بھی لوگوں کو ظاہر میں راستباز دکھائی دیتے ہو، مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہوتے ہو۔"

غرض علماء سوء کا یہ طبقہ ہر دور میں خدا اور رسول اور دین کو اپنے لئے مال تجارت سمجھتا رہا اور انھیں اپنے گھٹیا مقاصد کے لئے طاغوت کے ہاتھ فروخت کرتا رہا ہے۔

یہ طبقہ ہر اسلامی تحریک کا سب سے پہلا مخالف ہوتا ہے، ہر دور کی ڈھٹائی سے ہر اقتدار کا ساتھ دیتا اور ہر حق پرست کا مخالف ہوتا ہے، علماء یہود حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ خود حضور اکرم کی مخالفت میں بھی پیش پیش تھے اور دنیا دار مولویوں نے امام اعظمؒ کے خلاف بھی فتویٰ دیا، اور امام احمد بن حنبلؒ کے خلاف بھی، مجدد الف ثانیؒ کے خلاف بھی فتویٰ دیا اور تحریک مجاہدین اور شہدائے بالاکوٹ کے خلاف بھی، علامہ اقبال کو بھی انہوں نے کافر قرار دیا، اور مفکر اسلام مولانا مودودی کو بھی انہوں نے معاف نہ کیا، ہر طاغوت کی جڑیں مضبوط کرنا اس گروہ کا تاریخی کردار رہا ہے۔

ضمیر فروش صحافت

دورِ حاضر میں طاغوت کی ناپاک جڑوں میں سے ایک جڑ ضمیر فروش صحافت بھی ہے، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بناتی ہے، جس کا کام اپنے ممدوح کے مخالفین کی کردار کشی ہوتا ہے، کردار کشی جو اسلام میں بدترین سفاکانہ قتل سے بھی زیادہ گھناؤنا فعل ہے جس میں بہتان تراشی، غیبت، جھوٹ اور ریاکاری کی آمیزش ہوتی ہے، حضور اکرم نے تو فرمایا تھا کہ ایک مومن دوسرے مومن کی آبرو کا محافظ ہوتا ہے، لیکن ضمیر فروش صحافی مومن کی آبرو کا دشمن اور اس کے کردار کا قاتل ہوتا ہے۔

طاغوت کے ظلم کو رحم ثابت کرنا، اس کی زیادتیوں کو رفاہِ عامہ کے کام قرار دینا، اسکی حماقتوں کو بقراطیاں بتانا، اس کی بودی شخصیت کو سجا سجا کر پیش کرنا، اور اسے عوام کے دل ودماغ پر مسلط کرنے کے لئے اخبارات میں رہ کر اس کے صفحات کو، ریڈیو میں جا کر اس کی لہروں کو اور ٹی وی میں پہنچ کر اس کی اسکرین کو حق کی مخالفت، باطل کی حمایت، صداقت کے چہرے پر سیاہی ملنے اور بھوتوں کو فرشتے بنا کر پیش کرنے کیلئے استعمال کرنا، یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے، اس کا ضمیر موم کی ناک، اس کا اخلاق طوائف کا مسلک اور اس کا معیارِ صحافت نیلام گھر کا مال ہوتا ہے، اس کا سورج طلوع ہوتا ہے اور طلوع ہونے والے سورج کی شناخت اسے خوب ہوتی ہے اس کا سجدہ ہر طلوع ہونے والے سورج کے ساتھ تحویل قبلہ کرتا ہے اور وہ ہر طاغوت کی جڑ بن کر مظلوم عوام کی ناک میں طاغوتی نکیل کا کام دیتا ہے۔

سیاسی موقع پرست

ظالم طاغوت کی خوفناک جڑوں میں سے ایک سیاسی

موقع پرست بھی ہوتا ہے، جو صورت میں انسان اور سیرت میں گرگٹ ہوتا ہے، جب نظام طاغوت کی معاشرے میں زیادہ عرصہ تک انسانی ضمیر و اخلاق کو تاخت و تاراج کرتا رہے، تو بتدریج اس معاشرے میں ایک پیشہ ور سیاسی طبقہ پیدا ہو جاتا ہے، جس کا پیشہ ہی سیاست بازی ہوتا ہے، وہ چھوٹی سطح پر کام کرے تو سیاسی کارکن اور بڑی سطح پر کام کرے تو سیاسی رہنما کہلاتا ہے، لیکن مزاجاً اور طبعاً دونوں میں کیفیت کا کوئی فرق نہیں ہوتا، طاغوتی نظام میں سیاسی اور سرپرست طبقہ بہت بڑی تعداد میں پیدا ہو جاتا ہے، جو ایک دوسرے کو کہنیاں مارنے کے فن میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔

اس گروہ کا کام مفاد کی سمت میں سجدہ کرنا ہوتا ہے، یہ راتوں رات وفاداریاں بدل سکتا ہے، کرائے پر ایجی ٹیشن چلا سکتا ہے، اپنے مخالفین پر غداری، وطن دشمنی اور حکومت سے ملے ہونے کے الزامات لگانے میں طاق ہوتا ہے، جبکہ اس گروہ کے بیشتر افراد خود حلقہ خاص سے تعلق رکھتے، اس سے وظائف حاصل کرتے اور اس کے اشاروں کے مطابق تحریکوں کے سودے کر لیتے ہیں، یہ گروہ مذاکرات میں پیش پیش اور مفادات کے حصول میں آگے آگے ہوتا ہے، عہدہ و منصب ملنے کی توقع پر سوٹ سلواتا، سودا ہو جانے پر خوشیاں مناتا اور سودا لوٹ جانے پر افسردہ ہو جاتا ہے۔ اس کا مقصد معاشرے میں کوئی حقیقی تبدیلی لانا نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات طاغوت وقت سے اپنا حصہ وصول کرنا ہوتا ہے، بعض اوقات یہ معاشرے کے حقیقی بہی خواہ عناصر کا راستہ روکنے کے لئے بھی ان میں آ دھمکتا ہے۔ بعض اوقات طاغوت کے اشارے پر اہل حق پر تشدد کرنے کے لئے طاغوت کو موقعہ فراہم کرتا ہے اور انہیں گھیر گھار کر ان کی حقیقی تحریک کے خلاف طاغوت کے آگے ڈالتا ہے، یہ گروہ عین منجدھار میں عوام کی گاڑی کو بریک لگاتا ہے اور حادثہ رونما کر دیتا ہے۔ یہ گروہ طاغوت وقت اور اپنے نفس کے سوا کسی کا وفادار نہیں ہوتا۔

مذہب کی بد کردار اخلاق باختہ جمہوریت نے یہ پیشہ پیدا کیا ہے، اور جب تک مغربی جمہوریت کا نظام سودی معیشت کی گاڑی پر سوار، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے دو پہیوں پر کسی معاشرے میں رواں دواں رہتا ہے، یہ طبقہ موجود رہتا ہے اور اپنے ناپاک کردار سے طاغوت کے ہاتھ مضبوط کرتا اور اس کی جڑوں کو اپنی حرص و ہوس کی رالوں سے سیراب کرتا رہتا ہے۔

یہ گروہ نفاق اور دو رخے پن کا مریض ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس دو رخے پن کی شدید مذمت فرمائی ہے، اور فرمایا:—

"قیامت کے دن خدا کے نزدیک تم سب سے برا دو رخے آدمی کو پاؤ گے، جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔" (بخاری)

مزید فرمایا:—

"دنیا میں جس کے دو رخ ہوں گے، قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔" (ابوداؤد)

جب تک یہ طبقہ کسی معاشرے میں سے ختم نہ ہو جائے اس میں فساد کی بنیاد قائم رہتی ہے۔

ماہرین اقتصادیات

بظاہر ماہرین اقتصادیات دور حاضر کی اہم ضرورت اور آج کی معاشیات کا اہم ستون شمار ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ماہرین اقتصادیات نے جو مغرب کی سرمایہ دارانہ معیشت کے ماہر اور اسی معیشت کی ضروریات کی عینک سے سارے جہاں کو دیکھتے ہیں، پسماندہ مسلمان ملکوں میں ان کا کردار سود پر مبنی مغربی سرمایہ دارانہ معیشت کے نمائندوں اور محافظوں کا بن گیا ہے۔

مغربی سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد الحاد پر رکھی گئی ہے، یعنی رزق کے وسائل کا کوئی تعلق کسی رازق سے نہیں ہے اور کسی خدا کا کوئی تعلق انسان کی اجتماعی زندگی کے کسی مسئلے سے نہیں ہے، مذہب انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے، اور اسے سیاسی، معاشی، عمرانی اور اجتماعی مسائل میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ ان تمام مسائل میں انسان سیکولر ہے اور وہ بے خدا ہو کر کام کرتا ہے۔

مغرب کی اس سرمایہ دارانہ معیشت کو انفرادیت اور ذاتی منفعت پرستی پر استوار کیا گیا ہے، اس معیشت میں اگر سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات بنتا ہے، تو یہ عین مطلوب ہے، اور یہی آزاد معیشت کا طریقہ ہے، اس معیشت کے ذریعے دولت کا ارتکاز چند خاندانوں میں ہوتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مغربی سرمایہ دارانہ اصول معیشت کی بنیاد ہے، اس میں اخلاق کی بھی پابندی نہیں ہے، اگر اخلاق ساز کتاب کے بجائے اخلاق سوز کتاب زیادہ فروخت ہوتی ہے تو پھر یہ اصول معیشت اخلاق سوز کتاب کی اشاعت کے حق میں ہی رائے دیتا ہے۔

یہی سرمایہ دارانہ معیشت طبقات بناتی ہے، لذت پرستی سکھاتی ہے اور اپنی فلاح کے لئے دوسرے انسانی گروہوں کو تباہ برباد کرنے، ان کا اخلاق تباہ کرنے اور ان کا خون چوسنے کا راستہ دکھاتی ہے، اس اصول معیشت کے ماہرین جب کسی پسماندہ ملک میں طاغوت کے ایجنٹ بن کر کام کرتے ہیں تو غیر ملکوں سے سود پر قرضے لینے، معیار زندگی کو بلند کرنے، لذت پرستانہ سامانِ تعیش درآمد کرنے اور غیر قوموں کے قرضوں پر اپنے نادار ملکوں میں مصنوعی امارات کی نمود و نمائش کے غیر پیداواری مظاہرے کرنے کے راستے دکھاتے ہیں۔

یہ ہر پس ماندہ قوم کو مغرب کے سرمایہ داروں کی ساہوکاری کے بے دام غلام بناتے اور ان کی نقل کرنے کے مشورے دیتے ہیں، یہ خود کفالتی کے نام پر لوگوں کو مستقل ناداری کا راستہ بتلاتے ہیں، مغرب کی جو جونکیں جو پسماندہ ممالک کو لگی ہوئی ہیں، جب تک یہ جونکیں کسی معاشرے کی معیشت سے چمٹی رہیں، اس معاشرے کی معیشت کے کسی پہلو کے خود کفیل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ ماہرین معاشیات پس ماندہ قوموں کی خودداری، خود اعتمادی، باضمیری اور حریت فکر و عمل کے دشمن ثابت ہوتے ہیں، سرمایہ دارانہ مغربی معیشت نے ہمیں یہ معاشی ماہرین دیکر ہماری ملی خودداری ایمانی توکل و قناعت اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے مجاہدانہ جذبے کو تباہ کرنے کا سامان فراہم کر دیا ہے۔

جب تک ہمارے معاشرے میں ان ماہرین اقتصادیات کا عمل دخل کم نہ ہو، ہمارے لئے طاغوت کے شکنجے میں سے نکلنا ممکن نہیں ہے، اس لئے مغرب کا طاغوت ہمارے مشرق کے طاغوت کی مدد ان ماہرین اقتصادیات ہی کے ذریعے کرتا ہے، جو ہمارے کھانے والے مونہوں کو گنتے، ہمارے اناج کو تولتے اور پھر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ جب تک یورپ کی مدد نہ آئے گی ہم بھوکے مر جائیں گے، حالانکہ وہ ہمارے کمانے والے دو ہاتھوں کو کبھی نہیں دیکھتے۔ ان کو ترقی یافتہ کافر ملکوں کی مشینیں رازق نظر آتی ہیں، اور اپنے کھیت بنجر دکھائی دیتے ہیں، یہ ماہرین خدا کی رزاقی اور قوم کی پیداواری صلاحیت کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ بنے رہتے ہیں اور جب تک ہماری سوسائٹی میں سے ان کا عمل دخل ختم نہ ہو، ہم کبھی بیرونی اور مقامی طاغوتوں سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔

یہ وہ آلۂ جبر ہیں، جن کے سہارے مسلمان ملکوں میں دورِ حاضر کا طاغوت کھڑا ہے، اگر کسی ناگہانی تدبیر سے ایک طاغوت ہٹ جائے تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا ہے۔

اور ان جڑوں سے غذا حاصل کر کے پہلے سے بڑا طاغوت بن جاتا ہے، بفرضِ محال اگر کسی خوشگوار حادثے یا مسلمان ملت کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعے طاغوت کو ہٹا کر تختِ اقتدار پر کوئی ولی اللہ بھی لا کر بٹھا دیا جائے تو چند ہی ایام میں طاغوت کی یہ مذکورہ جڑیں اس ولی اللہ سے اپنا پیوند لگا لیتی ہیں، اور اپنی ناپاک غذا پہنچا کر اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں، زیادہ دن نہیں گذرتے کہ وہ مانوس خدا پرست چہرہ، جسے مسندِ اقتدار پر ملت نے بڑی تمناؤں کے ساتھ بٹھایا تھا، ان طاغوتی جڑوں سے وابستہ ہوتے ہی انہی کے نشتر آلود جال میں صید زبوں کی طرح پھنس جاتا ہے۔

یہ جڑیں اس کے ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، ناک، دانت، زبان اور دل و دماغ بن جاتی ہیں، اس کے بعد آپ اس شخص کو اپنے محبوب دوست کا جنازہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن پھر اس میں وہ امید اور امنگ نہیں پا سکتے، جس امنگ کے ساتھ آپ نے اقتدار کی باگ اپنے ہاتھ میں دی تھی، اس لئے کہ طاغوت کی جڑیں اس کی رگوں کے خون تک بدل دیتی ہیں، ایسے تجربات اکثر ناکام رہتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا لایا ہوا اسلامی انقلاب انہی طاغوتی جڑوں کے نذر ہوئے، ان کے انتقال کے ساتھ ہی رخصت ہوگیا، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا لایا ہوا انقلاب جہانگیر سے ارباب من دون اللہ کے ہاتھوں بیرم خان کی جلاوطنی اور خانِ خاناں کی گوشہ نشینی پر منتج ہوا۔ اورنگزیب عالمگیر کا لایا ہوا اسلامی، ثقافتی انقلاب ان کے انتقال کے ساتھ ہی دربار شاہی سے رخصت ہوگیا۔

غرض ہر قابلِ قدر اسلامی تبدیلی کو طاغوت کی یہ جڑیں، اکٹوپس کے آٹھ شاخہ شکنجے کی طرح کھا جاتی ہیں۔ اس کا علاج اسلام کا دیا ہوا عظیم ہتھیار جہاد ہے وہ جہاد جو طاغوتوں کی جڑیں اکھاڑنے کا بہترین آلہ ہے وہ جہاد عوام کی اجتماعی قوت کو سمیٹ کر طاغوت سے ٹکر لینے سے بھی برپا ہوسکتا ہے۔ ایک عوامی نظریاتی تحریک کے نتیجے میں عوام کا سیلِ رواں چاہے انتخابی بکسوں اور پولنگ اسٹیشنوں کو رائے عامہ کے زور سے جل تھل کر دے، چاہے طاغوتی اقتدار کے شکنجے کو بے بس کر کے اسلام کی قوت سے اسے رضائے الٰہی کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دے، دونوں صورتوں میں سیاسی قوت کا جو عظیم خزانہ ہوتا ہے، اس طاغوت کی تمام جڑوں کو اکھاڑنے اور اس کی تمام شاخوں کو تراشنے کا کام کر سکتا ہے۔

جب تک طاغوت کی تمام جڑیں نہ اکھاڑ دی جائیں پائیدار اسلامی انقلاب لانا ممکن نہیں اور ان جڑوں کو اکھاڑنے کے بعد انقلاب اسلامی کا جو علم نصب کیا جائے گا، پھر اسے کوئی اکھاڑ نہ سکے گا۔

عزمِ جواں

جیل سے سید مودودیؒ کا اپنی والدہ کے نام خط:-

"جس راستے پر میں چل رہا تھا، اس میں یہ منزل تو بہرحال آنی ہی تھی۔ حیرت اس کے آنے پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ اتنی دیر سے کیوں آئی۔ درحقیقت میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ شیطان اور اس کی برادری نے مجھے اتنے دنوں برداشت کیسے کیا۔ بہرحال اب کہ وہ ادھر متوجہ ہوگئے ہیں، یہ امید نہ رکھئے کہ یہ کشمکش جلدی ختم ہو جائے گی۔ اب اس کا خاتمہ دو ہی طرح ہو سکتا ہے یا میں ختم ہو جاؤں یا وہ اصلاح ہو کر رہے جس کے لئے میں پچھلے پندرہ برس سے کام کر رہا ہوں۔ ان دونوں صورتوں کے درمیان کوئی تیسری صورت ممکن نہیں ہے۔"

شبنم سبحانی

سُنو نا عاقبت اندیش انسانو!

(آسام کے شورش پسند طلبا اور اُن کے پشت پناہ گروہوں کے نام)

زمیں اللہ کی ہے، کون ہو تم روکنے والے؟
بنی آدم میں یہ تفریق کی دیوار کیسی ہے؟
تمھیں کیوں ارضِ ہندوستان کے پروردہ لوگوں سے،
یہ وحشت ہے؟
یہ کیوں آسام کی سرحد کے باہر ان کو دھکے دے رہے ہو؟
یہ انساں ہیں، یہ چوپایوں کا ریوڑ تو نہیں ہے!

یہ بادل بھی ہوا کے دوش پر بنگال کی کھاڑی سے آتے ہیں،
انھیں بھی روک دو گے تم؟
یہ برہم پتر بھی دوشِ ہمالہ سے سرک آئی ہے یوں،
جیسے کسی مہوش کا آنچل ہو،
اسے بھی جا کے تم فرمان دو گے،
خبر ہے آسام کی سرحد پہ رک جائے۔

تمھارے چائے کے باغات کا احسان ہے ہم پر،
یقیناً فیض سے ان کے، ہماری صبح رنگیں ہے،
خبر کیا تھی کہ تم اس چائے کی پیالی میں اک دن زہر گھولو گے،
وطن کی سرزمیں کو پھر علاقوں اور خطوں میں،
کرو گے منقسم اک دن،
وطن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والو!
یہ کس دبستانِ تمدن سے سبق یہ پڑھ کے آئے ہو؟
تمھیں انساں سے نفرت ہے؟
یہ کس تہذیب پر تم ناز فرما ہو؟
جو انسانوں سے نفرت کا سبق تم کو پڑھاتی ہے،
عزیزو! یہ وطن تم کو نہیں، ہم کو بھی پیارا ہے
اگر تاریخ کے اوراق الٹو گے
تو تم پر منکشف ہوگا۔
یہ رنگ و نسل کی دیوار کل کس نے گرائی تھی
یہ کس نے تبت و نیپال سے کنیا کماری تک
وطن کو رشتۂ وحدت سے جوڑا تھا
یہ کس نے سرحدِ ایران سے دامانِ ہم
اس دیش کو مربوط رکھا
جیسے ہوں زنجیر کی کڑیاں
تمھاری ان شورش سے ہم افسردہ خاطر ہیں
وطن کی یہ شکست و ریخت اب دیکھی نہیں
کہ کل جب تھی زمامِ کار ہاتھوں میں

تو رنگ و نسل و خوں کی سامری دیواریں گرائی تھیں
یہ دیواریں اٹھانے کے لئے افسوس تم آمادہ پیکار ہو
لیکن!
یہ دیواریں نہ اٹھیں گی، کہ دنیا میں
کہیں پر ریت کے ذروں سے بھی دیواریں اٹھتی ہیں۔
تمہیں نفرت ہے انساں سے
وطن سے بے وطن اہلِ وطن کو کرنے والو
یہ زمیں تم نے بنائی ہے؟
شجر تم نے اگائے ہیں؟
یہ ندیوں کا تموج بھی تمہارا ہی کرشمہ ہے؟
تمہیں انسان کی تقدیر کے خالق ہو شاید؟
اور ان کو رزق بھی دینے کا منصب تم کو حاصل ہے؟

یقیناً ایسے آدم زاد سے وہ جانور اچھے
جو وفادار ہیں پہلے بھونکتے تو ہیں
مگر کچھ دنوں کے بعد جب مانوس ہوتے ہیں
تو پھر مربوط ہو جاتے ہیں رشتے میں اخوت کے

بنایا ہے محاسب کس نے تم کو، کون ہو تم پوچھنے والے؟
کہ کن ماحولوں میں ہیں آسام کی اسنادِ شہریت؟
جو قرنوں سے یہاں رہتے چلے آئے ہیں، کیا وہ غیر ملکی ہیں؟
اگر قصہ یہ چھیڑو گے
تو پھر دراوڑین ہی سرزمینِ ہند کے شہری رہیں گے
آریئن، ہن، ہونز اور منگول
اور ایرانی و ترک و حجازی تتاری اور وسطی ایشیا کی وہ کئی قومیں
سبھی جو سرزمینِ ہند میں آباد ہیں، سب اجنبی ہوں گی

سنو بر خود غلط، نا عاقبت اندیش انسانو!
تم اپنی سرزمیں پر ظلم کی کھیتی جو بو دو گے
تو پھر خالق انساں کی فصلیں کاٹنی ہوں گی
خس و خاشاک ہو جائیں نہ یہ باغات ڈرتا ہوں
صحارا جیسا ریگستان یہ خطہ نہ ہو جائے
کہیں دریائے برہم پتر کی شہ رگ نہ کٹ جائے
نہ بن جائیں کہیں آتش فشاں یہ تیل کے چشمے

سنو اے ناخلف لوگو! بشر بیزار انسانو!
زمیں اللہ کی ہے، سارے انساں بھائی بھائی ہیں
بہاری ہوں کہ بنگالی، کہ پنجابی کہ مدراسی
یہ پودے ایک ہی مٹی سے برگ و بار لاتے ہیں
انھیں تم لہلہانے، مسکرانے اگنے کھلنے دو
یہی قانونِ قدرت ہے
اگر ٹکراؤ گے قانونِ قدرت سے
تو تم جام سفالیں کی طرح
اک روز چکنا چور ہو گے
اور مقدر کا پیالہ جس لئے پھرتے ہو
اک دن واژگوں ہو گا۔

الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۳۰ء
سے خطاب کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

مذہب اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، کلیسا اور ریاست، روح اور مادہ ایک ہی کل کے مختلف اجزا ہیں اور اس کے نتیجے میں ایک ایسا عالمگیر نظام سیاست ہے جس کی اساس وحی الٰہی پر ہے لہٰذا اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے الگ نہیں بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

غزل

وہ مفکر کیا جو چمن کا نکھار کر نہ سکے
گلوں کو رنگ نہ دے، ان کی مانگ بھر نہ سکے

امینِ راز ہیں جب کن فکاں کی دولت کے
حیات جس کے لئے تھی اسی پہ مر نہ سکے

شعورِ ذات نہ تھا اور عمل کا ذوق نہ تھا
پدر جو کر گئے وہ کام پسر کر نہ سکے

جنھیں تھا ذوق، وہ رہرو پہنچ گئے منزل
جو مدعی بنے بیٹھے تھے راہبر نہ سکے

بہت ہی شور کیا گرچہ اہلِ باطل نے
ہمارے نام پہ الزام کوئی دھر نہ سکے

مقدرات نے ناکس کو تخت دلوایا
بڑے ہی شور سے اٹھے جو نامور نہ سکے

اب اٹھنے والے ہیں اس بزم سے تہی دامن
جو کام کرنا تھا رحمت وہ حیف کر نہ سکے

ابرار احمد فائق

چھوٹے چھوٹے ممالک ایٹمی میزائلوں کی زد میں

دنیائے اسلام، افریقہ اور ایشیا جیسے دو عظیم اور قدیم براعظموں میں جنوب مشرق میں بحر الکاہل اور بحر ہند کے سنگم سے شروع ہو کر بحیرۂ عرب، بحیرۂ احمر اور نہر سویز کے ساحلوں سے ہوتی ہوئی شمال مغرب میں بحیرۂ روم کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی ہے جو افریقہ اور یورپ کو جدا کرتا ہے، اسلامی دنیا اپنے جغرافیائی محل وقوع اور جنگی اہمیت کے علاوہ اپنے زرعی خام مال اور تیل و گیس جیسی قدرتی دولت کے سبب بھی عالمی معیشت میں ایک اہم مقام رکھتی ہے، اس سے یہ قدرتی و زرعی وسائل اور جغرافیائی محل وقوع اس کی آزادی اور سلامتی کے لئے نت نئے خطرات کا سبب بنا ہوا ہے۔

امریکی اخبارات کی تازہ ترین اطلاعات کے مطابق کارٹر انتظامیہ ایک ارب ڈالر کی لاگت سے بحر ہند کے وسط میں افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے قریب واقع اینگلو امریکی بحری و فضائی اڈے کی مزید توسیع کے ایک منصوبے پر کام کر رہی ہے۔ ان اخبارات کے مطابق اس منصوبے کا مقصد خلیج فارس، بحیرۂ عرب اور بحیرۂ ہند میں امریکہ کی بحری و فضائی افواج کی موجودگی کو دوام بخشنا اور اسے موثر بنانا ہے تاکہ صدر کارٹر کے بقول علاقے میں امریکہ کے "قومی مفادات" کا تحفظ کیا جا سکے، جو علاقے میں تیل، خام مال اور مصنوعات کی منڈی سے وابستہ ہیں۔

ان اطلاعات کے مطابق ڈیگو گارشیا کے اڈے کو وسعت دے کر ایٹم بم بردار بی۔۵۲ قسم کے طیاروں کے استعمال کے قابل بنایا جائے گا جس سے علاقے میں امریکہ کی فوجی موجودگی موثر اور فوجی کارروائی آسان ہو جائے گی، اس اڈے کی توسیع کی ضرورت امریکہ اس لئے بھی محسوس کر رہا ہے کہ اسے خلیج فارس اور بحیرۂ عرب کے ساحلی ملکوں میں فوجی نگرانی اور کارروائی کے لئے بی ۵۲ قسم کے بمبار طیارے مشرق بعید میں گوام کے اڈے سے اڑانے پڑتے ہیں، جبکہ ایران کے خلاف حالیہ ناکام فوجی کارروائی کے لئے امریکہ کے سی ۱۳۰ قسم کے طیارے جاپان میں اپنے اڈوں سے آئے تھے ظاہر ہے یہ فاصلہ بہت طویل ہے، اس کے علاوہ حال ہی میں سلطنت اومان نے امریکہ کے ساتھ اپنا وہ خفیہ فوجی معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کیا ہے جس کے تحت امریکہ کو اومان کے بحری اور فضائی ؛ سے استعمال کرنے کا حق

حاصل تھا، اسی حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ نے ایران کے خلاف فوجی کارروائی کے لئے اومان ہی میں اپنے طیاروں میں ایندھن بھرا تھا۔

اب خلیج کی ریاستوں اور سعودی عرب نے بھی اپنی سرزمین میں امریکہ کو فوجی اڈے دینے سے انکار کیا ہے، اور اس بات کا امکان بڑھ رہا ہے کہ مسلم ملکوں میں بیرونی مداخلت اور فوجی سرگرمیوں کے خلاف مخالفت اور یک جہتی میں اضافہ ہو جائے گا۔ ان حالات کے پیش نظر امریکہ ڈیگو گارشیا کے اڈے کو زبردست اہمیت دے رہا ہے اور اسکو وسیع کرنے کیلئے کثیر رقوم خرچ کر رہا ہے، کیونکہ یہ ایک ایسا اڈہ ہے جہاں سے وہ بی ۵۲ قسم کے ایٹم بم بردار طیاروں اور پوسیڈن اور پولارس میزائلوں کے ذریعہ افریقہ اور ایشیا کے مسلم ملکوں اور دیگر ساحلی ملکوں کے علاوہ روس کی جنوبی سرحدوں تک فوجی کارروائیاں کر سکتا ہے۔

اس اڈے کو اندرونی مزاحمت سے محفوظ رکھنے کیلئے امریکہ اور برطانیہ نے اس جزیرے کی آبادی کو باہر دھکیل دیا ہے۔ پہلے پہل تو ڈیگو گارشیا کی مقامی آبادی کے جبری انخلاء کا کسی کو پتہ نہیں لگا، لیکن عالمی معاملات میں ڈیگو گارشیا کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس جزیرے کے غریب الوطن باشندوں کی بیچارگی اور کس مپرسی کا بھی ذکر ہونے لگا ہے۔

اس جزیرے کے باشندوں کی مصیبتوں کا آغاز ۵ اپریل سنہ ۱۹۶۷ء کو اس وقت ہوا جب امریکہ اور برطانیہ نے اعلان کیا کہ وہ آئندہ پانچ سال تک دفاعی مقاصد کے لئے اس جزیرے کو استعمال کریں، اس کے تین سال بعد سنہ ۱۹۷۰ء میں اس جزیرے کو بحریہ کے مواصلاتی مرکز کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اس مقصد کے لئے امریکی حکومت نے ایوان نمائندگان میں ایک بل پیش کیا جس میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ اس جزیرے میں انسانی آبادی نہیں ہے، لیکن امریکی حکومت کا یہ دعوی غلط تھا، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت وہاں مقامی آبادی کو ماریشس منتقل کیا جا رہا تھا، منتقلی کا یہ عمل سنہ ۱۹۶۹ء سے سنہ ۱۹۷۳ء تک جاری رہا۔

ڈیگو گارشیا کے یہ غریب الوطن باشندے اس وقت سسک سسک کر زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں اور وطن واپسی کے لئے مصروف جدوجہد ہیں، اس مقصد کیلئے انھوں نے ایک دفاعی کمیٹی قائم کی ہے جس نے امریکہ اور برطانیہ کی حکومتوں کو ایک یادداشت پیش کر کے اپنے وطن واپسی کا مطالبہ کیا ہے اور اپنے حقوق کے لئے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے کمیشن سے رجوع کر دیا ہے۔

لیکن ڈیگو گارشیا کو افریقہ اور ایشیا کے مسلم ملکوں کے خلاف جنگی اڈے میں تبدیل کر کے امریکہ مطمئن نہیں ہوا، بلکہ اب اس نے اپنے یورپی اتحادیوں کے ساتھ مل کر یورپ میں دوبارہ ایٹمی میزائل نصب کرنے کا فیصلہ کیا ہے ان میزائلوں میں سے جنوبی اٹلی میں نصب کئے جانے والے میزائلوں کا رخ لازمی طور پر افریقہ، مشرق وسطیٰ اور جنوب مغربی ایشیا کے مسلم ملکوں کی جانب ہے۔

بحیرۂ ہند میں ڈیگو گارشیا اور یورپ دونوں جانب سے گھیر کر مسلم ملکوں کو سینڈوچ بنانے کے بعد بھی امریکہ اور اس کے ناٹو کے اتحادی مطمئن نہیں ہیں، چنانچہ ناٹو کے حالیہ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ یورپ میں موجود امریکی جنگی طیاروں کو فارغ کر دیا جائے گا تاکہ وہ ایشیا میں جنگی اور فوجی کارروائیوں میں کام آسکیں، اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ یورپ سے فارغ ہونے والے امریکی جنگی طیارے، لازمی طور پر بحر ہند بالخصوص مشرق وسطیٰ کے مسلم ملکوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال ہوں گے، اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ آبنائے ہرمز اور بحیرۂ عرب میں بڑی تعداد میں امریکہ کے بحری جنگی جہاز اور طیارے مسلم ملکوں کے ساحلوں کے ساتھ کھڑے ہیں، جہاں سے ایران کے خلاف حال ہی میں فوجی دراندازی

کی نگرانی کی گئی، امریکہ اور مغربی ملکوں کے ان اقدامات سے تیونس کی اسلام کو آزادی اور سالمیت کے جو خطرات لاحق ہو گئے ہیں، توقع ہے کہ اسلامی ممالک ان پر خصوصی توجہ دیں گے۔

شریعت اور قانون میں بنیادی فرق

عبد القادر عودہ شہیدؒ
ترجمانی: شفیق عالم فلاحی

اسلامی شریعت انسان کے وضع کردہ قوانین سے بنیادی طور پر تین پہلوؤں سے مختلف ہے۔

اول: - خدائی جانب سے ہے جبکہ قانون انسان کا بنایا ہوا ہے، شریعت اور قانون دونوں میں اس کے بنانے والے کی صفات جلوہ گر ہیں۔ قانون انسان کا وضع کردہ ہے اس میں بشری کمزوری، کوتاہی، نقص اور تدبیر کی کمی سامنے آتی ہے، جس کی وجہ سے قانون کو تغیر کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ غیر متوقع درجہ تک سوسائٹی کے انقلاب سے اس میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے، پس قانون ہمیشہ ناقص رہا ہے، جب تک اس کا بنانے والا کمال کی صفت سے متصف نہ ہو، اور آئندہ ہونے والی باتوں پر بھی اس کا علم اسی طرح محیط نہ ہو، جس طرح گذشتہ باتوں پر، یہ کمال کے درجے تک نہیں پہونچ سکتی، نہ ہی مستقبل کی باتوں کا احاطہ کر سکتا ہے، جیسے ہی گذشتہ باتوں سے واقف ہے۔

رہی شریعت تو اس کا بنانے والا اللہ ہے، اس میں اس خالق کی قدرت، اس کا کمال، اس کی عظمت اور ماکان و مایکون پر اس کے علم کا احاطہ جلوہ گر ہے، اس علیم و خبیر نے اسے اس انداز پر ڈھالا ہے کہ یہ حال اور مستقبل کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

دوم: - قانون نام ہے ان چند وقتی ضابطوں کا جنھیں سوسائٹی اپنے معاملات کی تنظیم اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے وضع کرتی ہے، پس یہ ضابطے یا تو سوسائٹی سے پچھڑے ہوئے ہیں یا اس سطح پر ہوتے ہیں جس پر کہ سوسائٹی فی الحال ہے، اور مستقبل میں اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ سوسائٹی میں جتنی تیزی سے تبدیلی واقع ہوتی ہے قوانین میں اتنی تیزی سے تغیر نہیں ہوتا، یہ تو چند عارضی ضابطے ہوتے ہیں، جو عارضی طور پر قائم رہنے والی سوسائٹی سے میل کھاتے ہیں، اور جوں جوں سوسائٹی کے حالات میں تبدیلی ہوتی ہے، اس میں تبدیلی ناگزیر ہوتی جاتی ہے۔

لیکن شریعت کے ضابطوں کو اللہ تعالیٰ نے سوسائٹی کے معاملات کے نظم و نسق کے لئے دائمی طور پر وضع کیا ہے پس شریعت اور قانون اس حیثیت سے تو یکساں ہیں کہ دونوں سوسائٹی کے نظم و نسق کے لئے وضع کئے گئے ہیں، لیکن شریعت قانون سے اس حیثیت سے مختلف ہے کہ اس کے ضابطے دائمی ہیں، جو تبدیلی اور تغیر کو قبول نہیں کر سکتے۔

شریعت کے اس امتیاز کا منطقی تقاضہ ہے کہ: -

(۱) شریعت کے اصول و ضوابط اور اس کی نصوص میں اتنی لچک اور وسعت ہو کہ سوسائٹی کی ضروریات کو سمو سکے،

خواہ کتنا ہی زمانہ گذر جائے، سوسائٹی میں تبدیلی واقع ہو جائے اور ضروریات میں اضافہ اور تنوع ہو جائے۔

(۲) شریعت کے اصول و ضوابط اور اس کی نصوص میں اتنی بلندی اور ارتفاع ہو کہ کسی بھی زمانے میں سوسائٹی کے معیارات پیچھے نہ رہے۔

فی الواقع منطق جس چیز کی متقاضی ہے، اپنی دونوں صورتوں میں شریعت کے اندر موجود ہے، بلکہ یہ شریعت کو ممتاز کرنے والی اہم ترین چیز ہے، شریعت کی نصوص، عموم اور لچک میں آخری حد تک پہنچی ہوئی ہیں، ساتھ ہی اس حد تک ہیں جس کے بعد کسی بلندی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

شریعت پر تیرہ صدیوں سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے

اس اثناء میں حالات میں بلاشبہ تبدیلیاں ہو چکی ہیں، افکار و علوم میں بڑے بڑے انقلابات آ چکے ہیں۔ ایسی ایجادات اور ایجادات وجود میں آ چکی ہیں جن کا کسی انسان کے خیال میں بھی گذر نہ تھا۔ خود ساختہ قانون کے ضابطوں اور اس کی نصوص میں بلاشبہ تبدیلیاں ہو چکی ہیں، تاکہ حالات سے میل کھا سکیں، کیونکہ موجودہ قانون کی بنیادوں اور شریعت کے نزول کے زمانے میں قانون کی جو بنیادیں تھیں ان میں کوئی تعلق ہی نہیں رہا، اس کے برعکس باوجودیکہ شریعت اسلامی تبدیلی اور تغیر کو قبول نہیں کرتی، اس کے اصول اور اس کے نصوص سوسائٹی کے معیار سے بلند تر، اس کی شیرازہ بندی اور اس کی ضروریات کی تکمیل کی زیادہ ضامن، اس کی طبیعت سے قریب تر اور عوام کی محافظ اور ان کے سکون کا ذریعہ ہیں۔

یہ تاریخ کی شاندار شہادت ہے، جسے وہ شریعت اسلامی کے سلسلے میں پیش کرتی ہے، نصوص کی شہادت اور ان کی منطق سے بہتر کوئی چیز نہیں ہو سکتی، مثلاً ارشاد خداوندی ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (کسی بھی معاملے میں ان سے مشورہ لے لو) آل عمران ۱۵۹) وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (شوریٰ: ۳۸) ان کی بات آپس میں مشورے سے طے پاتی ہے۔ اور وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ ۲) نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔

نیز ارشاد نبوی ہے: لا ضرر ولا ضرار في الإسلام اسلام میں حق تلفی اور زیادتی نہیں۔

یہ قرآن و حدیث کی چند نصوص ہیں، جو اپنے عموم اور لچک میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں، یہ "شورائیت" کو فیصلہ کے لیے بنیادی حیثیت دیتی ہیں کہ اس کے ساتھ نہ تو کسی کی حق تلفی ہو اور نہ کسی پر زیادتی اور یہ تعاون علی البر والتقویٰ کو ثابت و قائم رکھتی ہے، بنابریں شریعت جس بلندی پر قائم ہے اس کے معیار پر بشری دماغ پہنچنے سے عاجز ہے۔

سوم :- شریعت کی غرض سوسائٹی کی تنظیم اور اس کی رہنمائی، صالح افراد کا پیدا کرنا اور مثالی حکومت اور مثالی دنیا کا قیام، یہی وجہ ہے کہ اس کے نزول کے وقت ہی سے اس کی نصوص دنیا کے معیار سے بلند رہی ہیں اور اب تک جوں کی توں ہیں، اس میں جو اصول و نظریات پیش کئے گئے ہیں، انھیں پہچاننے اور ان تک پہنچنے کے لئے نیز اسلامی دنیا صدیوں کے بعد ہی آمادہ ہو سکی، اور یہ دنیا اسے پہچاننے اور اس تک پہنچنے کیلئے اب تک آمادہ نہ ہو سکی ہے۔ اسی لئے اللہ نے شریعت کو وضع کرنے کی ذمہ داری لی، اور اسے کمال کا ایک نمونہ بنا کر نازل کیا، تاکہ لوگوں کی فرماں برداری اور بلند اخلاق کی طرف رہنمائی کرے، اور انھیں بلندی اور کمال پر پہنچنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرنے کے لئے آمادہ کرے، یہاں تک کہ شریعت کے معیار کمال تک پہنچ جائیں یا اس سے قریب تر ہو جائیں۔

سا قانون تو یہ سوسائٹی کی تنظیم کے لئے وضع کیا گیا ہے نہ کہ اسکی رہنمائی کے لئے، اسی وجہ سے قانون سوسائٹی سے بچھڑا ہوا، اور اس میں واقع تبدیلیوں کے تابع ہوتا، لیکن موجودہ صدی میں قانون اپنی اصل سے ہٹ چکا ہے اب اسے سوسائٹی کی رہنمائی اور اسکی تنظیم دونوں کے لئے بنایا جاتا ہے، کیونکہ نئے پروپیگنڈوں کی طرف بلانے والے ممالک قانون سے عوام کی متعین سمتوں کی طرف رہنمائی کرنے کا کام بھی اسی طرح لینے لگے ہیں جس طرح متعین مقاصد کے نفاذ کے لئے اسے کام میں لاتے رہے ہیں جیسا کہ روس، جرمنی، ترکی اور اٹلی وغیرہ نے کیا ہے، اسی طرح خود ساختہ قانون بھی وہاں پہنچ گیا جہاں کی ابتدا شریعت نے کی تھی اور اس چیز کو اختیار کیا جسے شریعت تیرہ صدیاں پہلے حاصل کر چکی تھی۔

شریعت کو قانون سے ممتاز کرنے والی بنیادی خصوصیات

گزشتہ باتوں کی بنیاد پر ہم یہ خلاصہ پیش کر سکتے ہیں کہ شریعت اسلامی خود ساختہ قوانین سے تین بنیادی خصوصیات کی بنا پر ممتاز ہے۔

(۱) کمال:- شریعت کو خود ساختہ قوانین پر اپنے کمال کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے، کیونکہ یہ ان تمام اصول ونظریات کو سموئے ہوئے ہے جن کی ایک مکمل شریعت کو ضرورت ہو سکتی ہے، اور یہ ان اصول ونظریات سے مالا مال ہے جو حاضر، قریب اور مستقبل بعید میں سوسائٹی کی ضروریات کی تکمیل کی ضامن ہیں۔

(۲) بلندی:- شریعت اس اعتبار سے بھی ممتاز ہے کہ اس کے اصول وضوابط ہمیشہ انسانی سوسائٹیوں کے معیار سے بلند رہتے ہیں، اس میں ایسے اصول ونظریات ہیں جو اس کے اس بلند معیار کی محافظ ہیں، خواہ لوگوں کا معیار کتنا ہی بلند ہوتا جائے۔

(۳) دوام:- شریعت خود ساختہ قوانین سے اپنے دوام کی وجہ سے بھی ممتاز ہے، کیونکہ اس کی نصوص کسی تبدیلی یا ترمیم کو قبول نہیں کرتیں خواہ کتنے ہی سال گزر جائیں اور طویل زمانہ بیت جائے، یہ اپنی عمدگی وصلاحیت کی ہر زمان ومکان میں محافظ ہوتی ہے۔

قانون سازی کے سلسلے میں شریعت اسلامی کا طریقہ

شریعت اسلامی اس لئے آئی ہے کہ لوگوں کے تمام ہی معاملات میں ان پر حکمراں ہو، اور وہ بھی اپنے دنیوی واخروی معاملات میں اسی کو حکم بنائیں لیکن اس میں ایسی تفصیلی نصوص نہیں ہیں جو تمام جزئی اور فروعی حالات کے احکام کی وضاحت کرتی ہوں، جیسا کہ اس زمانے میں وضع کردہ قوانین کا حال ہے، زیادہ تر حالات میں شریعت نے عام مجمل نصوص کی صورت میں کلی احکام پیش کرنے ہی پر اکتفا کیا ہے۔

جن کلی احکام کی شریعت نے صراحت کی ہے ان کا شمار اسلامی تشریع کے عام اصول (تشریع اسلامی کے نقوش) کی نمائندگی کرنے والے ڈھانچے اور اسے مکمل بنانے والے ضابطوں کے طور پر ہوتا ہے۔ شریعت نے اولوالامر کے لئے اس بات کا موقع فراہم کر دیا ہے کہ تشریع کی عمارت کو ان اصول وضوابط کی بنیادوں پر تعمیر کریں اور اس ڈھانچے کو مکمل شکل دیں، اور شریعت کے لائے ہوئے اصول وضوابط کے ضمن میں اس کے دقائق اور تفصیلات کی وضاحت کریں۔

شریعت نے تشریع کے سلسلے میں جس طریقے کا التزام کیا ہے، یہی وہ واحد طریقہ ہے جو شریعت کے امتیازات، بلندی، کمال اور دوام سے میل کھاتا ہے، بلندی اور کمال کا تقاضا ہے کہ یہ ان تمام سماجی وانسانی اصول ونظریات کی صراحت کر دیں، جو سوسائٹی کے لئے عمدہ زندگی کی ضامن ہوں، اور افراد انسانی

کے درمیان عدل، مساوات اور ایک دوسرے پر رحم کو ثابت کر دے، بھلائی کی طرف ان کی رہنمائی کرے اور انھیں بلندی کی طرف دعوت دے جبکہ دوام کی صفت کا تقاضا ہے کہ یہ ایسی نص نہ پیش کرے جو وقتی حالات پر منحصر ہوں اور جن کے احکام حالات کی تبدیلی اور مرور ایام سے بدلتے رہیں۔

تشریع کے سلسلے میں اولوالامر کا حق

شریعت نے اولوالامر کو تشریع کے سلسلے میں جو حق دیا ہے وہ تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر نہیں ہے، اولوالامر کو تشریع کے سلسلے میں جو حق حاصل ہے وہ اس پابندی کے ساتھ ہے کہ ان کے مرتب کردہ قانون نصوص شریعت ان کے عام اصول اور اسکی تشریعی روح سے متفق ہوں، تشریع کے سلسلے میں ان کے حق کو اس طرح مقید کر دینے سے ان کا حق قانون سازی کی دو ہی قسموں تک محدود ہو جاتا ہے۔

(ا) اختیاری قانون سازی :- اس کا مقصد شریعت اسلامی کی نصوص کے نفاذ کی ضمانت دینا ہو اس طریقے کی تشریع کا شمار آج کل اپنے دائرۂ اختیار میں رہتے ہوئے وزراء کی طرف سے نافذ ہونے والی قراردادوں اور سیکریٹری قوانین پر ہو سکتا ہے جنھیں وہ قانون کے نفاذ کی ضمانت کے طور پر صادر کرتے ہیں

(ب) تنظیمی قانون سازی :- اس سے مقصود سوسائٹی کی تنظیم اسکی نگرانی اور شریعت کے اصول کی بنیادوں پر اس کی ضروریات کی تکمیل ہے، کیونکہ شریعت میں اس سلسلے میں خاص نصوص نہیں آئی ہیں، قانون سازی کی اس قسم کے لئے بھی پہلی شرط یہ ہے کہ یہ شریعت کے عام اصول اور اسکی تشریعی روح سے متفق ہو۔

اولوالامر کا اپنے حق کی حدود سے نکلنے کا حکم

یہ چیز متفق علیہ ہے کہ اولوالامر کا عمل اپنے حق کی حدود کے اندر رہتے ہوئے صحیح اور حدود سے تجاوز کے بعد باطل ہے، اولوالامر کوئی ایسی بات پیش کریں، جو شریعت کی نصوص، اس کے عام اصول اور اس کی تشریعی روح سے متفق ہو تو ان کا عمل صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے لیکن جب یہ شریعت سے مخالف کوئی چیز پیش کریں تو ان کا عمل باطل ہے، اور نہ تو باطل پر عمل کرنا درست ہے، نہ ہی اسکی اطاعت واجب ہے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اصول پیش کر دیا ہے :-

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔ (نساء : ۵۹)

اے وہ لوگ جو ایمان لائے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی، اگر تم آپس میں کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

مزید ارشاد ہے :

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (شوریٰ)

تم نے جس چیز میں بھی آپس میں اختلاف ہو تو اس کا حکم اللہ کی طرف ہے۔

چنانچہ اللہ جل شانہ اپنے احکام کی اطاعت بھی ہم پر اسی طرح واجب قرار دیتا ہے جس طرح اپنے رسول اور اولوالامر کی اطاعت کو، اللہ کی اطاعت تو خود اللہ ہی کے حکم سے واجب ہے، نہ کہ رسول کے حکم سے، نہ ہی اولوالامر کے حکم سے، جب حاکم وقت خدا کے حکم سے بغاوت کر جائے تو اس کا حکم باطل ہے اور اسکی اطاعت واجب نہیں۔

(بقیہ ص ۲۴)

ابوالکلام فلاحی مدنی

آئیے نئے انقلاب کی تیاری کریں

یہ خطبہ صدر انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح نے ۶ مارچ کو اولڈ بوائز کنونشن کی پہلی نشست میں پیش کیا۔ سامعین میں جامعہ کے اساتذہ اور طلبۂ قدیم وجدید کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے مہمان اور مقامی ہمدردان نے بڑی تعداد میں موجود تھے۔

اما بعد۔ ساری تعریف اور شکر اس پروردگار کے لئے ہے جس نے انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنا پسندیدہ دین اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ دنیا میں بھیجا ہے، اور بے پناہ درود و سلام ہو، اس آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے دنیا میں عملاً اللہ کے دین کو نافذ کر کے دکھایا۔

بزرگان محترم اور برادران گرامی! ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آج اس نے ہمیں یہ مبارک اجتماع منعقد کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، ہمیں بڑی مسرت ہے کہ آج ہم اپنی مادر علمی میں اپنے قدیم وجدید ساتھیوں، مشفق اساتذہ اور اپنے بزرگ مہمانوں کے ساتھ جمع ہیں۔ جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے یہ انجمن طلبۂ قدیم کا پہلا دو سالہ کنونشن ہے، اس انجمن کی تشکیل ۲۶ نومبر ۸۶ء کو عمل میں آئی تھی، اس موقع پر فارغین جامعہ کی ایک خاصی تعداد یہاں جمع ہوئی تھی، سب نے مل کر اس انجمن کی بنیاد رکھی، دستور کی منظوری دی، اور مجلس شوریٰ اور دیگر عہدیداران کا انتخاب کیا۔ اس موقع پر یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ ہر دو سال بعد ارکان انجمن کا ایک عام اجلاس ہوا کرے گا (دستور۔ دفعہ ۱۵)۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج انجمن کی تشکیل کے دو سال پونے چار ماہ بعد ہم یہ عام اجلاس منعقد کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارا یہ کنونشن کامیاب ہو، ہم اس سے پورا فائدہ حاصل کر سکیں اور اپنے نیک مقاصد کی راہ میں پورے نشاط اور تازہ عزائم کے ساتھ آگے بڑھ سکیں۔ آمین۔

برادران محترم! اس اجلاس سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے ذہنوں میں انجمن کے اغراض و مقاصد کو تازہ کر لیں۔ تاکہ ان کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لے سکیں اور یہ اندازہ کر سکیں کہ سوا دو سال کی مدت میں ہم نے اپنے مقاصد کے حصول کی راہ میں کس حد تک پیش قدمی کی ہے، اور ان کے تحت ہم نے کیا کیا

عملی اقدامات کئے ہیں، اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے انجمن کے اغراض و مقاصد آپ کے سامنے رکھ دوں، جو دستورِ انجمن میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔

انجمن کے اغراض و مقاصد

(۱) فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے منظم کرنا۔

(۲) ان کی صلاحیتوں کو ان مقاصد کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید اور موثر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

(۳) جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذہنے دوران جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا

(۴) مقاصد جامعہ کے حصول کے لئے دیگر دینی و تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ ہیں انجمن کے اغراض و مقاصد جن کے تحت اس انجمن کا قیام عمل میں آیا ہے اور جن کے مطابق ہمیں اپنی سرگرمیوں کا جائزہ لینا ہے۔ یہ انجمن چونکہ جامعۃ الفلاح کے فارغین کی تنظیم ہے، اس لئے فطری طور پر اس کے اغراض و مقاصد کا جامعہ کے اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جامعہ کے اغراض و مقاصد بھی بیان کر دئے جائیں، جو دستورِ جامعہ کے مطابق حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) ایسے افراد تیار کرنا۔

(ا) جو قرآن و سنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت رکھتے ہوں۔

(ب) جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر بھی ہو اور غیر اسلامی نظریات سے بھی بخوبی واقف ہوں۔

(ج) جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔

(د) جن میں احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا شدید جذبہ ہو۔

(ہ) جو گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعتِ قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

(۲) ایسا نصابِ تعلیم زیرِ عمل لانا جس میں دینی و دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو۔

محترم دینی بھائیو! ہماری اس مادرِ علمی کا قیام ۱۹۶۲ء میں آیا تھا، گذشتہ ۱۷ سالوں کے دوران ہمارے ۱۵۲ بھائی جامعہ میں عالمیت یا فضیلت تک تعلیم پوری کر کے یہاں سے فارغ ہو چکے ہیں، فراغت کے بعد ہمارے بھائی زندگی کے مختلف شعبوں میں پھیل گئے ہیں، کچھ ایسے ہیں جنہیں مزید تعلیم کے حصول کے لئے ملک و بیرونِ ملک کے دیگر تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ کا موقع ملا، کچھ مختلف اداروں اور مدارس میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، کچھ تصنیف و تالیف اور صحافتی سرگرمیوں میں مشغول ہیں، ان کے علاوہ ہمارے کچھ بھائی تجارت و زراعت میں لگے ہوئے ہیں اور کچھ مختلف شعبوں میں ملازمت کر رہے ہیں، مجھے یقین ہے کہ ہمارے یہ تمام بھائی خواہ وہ کسی بھی شعبہ میں کام کر رہے ہوں، اپنی اس مادرِ علمی سے ایک خاص قلبی تعلق رکھتے ہیں، اور وہ اس کی بہتری اور ترقی کے لئے اپنے دلوں میں نیک تمنائیں اور خواہشات رکھتے ہیں اور ممکنہ حد تک وہ عملاً بھی اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اس جامعہ کے تمام فارغین پر اس کا ایک عظیم حق ہے اسے پہچاننا اور ادا کرنے کی کوشش کرنا یہاں کے ہر فارغ کا اہم فریضہ ہے۔

کیا یہ اس جامعہ ہی کا فیض نہیں ہے کہ ہم یہاں عربی اور دینی علوم کی تعلیم حاصل کر کے اس قابل ہو سکے کہ براہِ راست قرآن کا مطالعہ اور اس پر غور و تدبر کر سکیں، فقہ و اصولِ فقہ کی تعلیم کے ذریعہ دنیا کے موجودہ مسائل کے

مل کتاب و سنت کی روشنی میں تلاش کر سکیں، بلاشبہ ہم نے یہاں کے مشفق و لائق اساتذہ کے زیر سایہ رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے اور ان کے زیر تربیت، زندگی کے جو ایام بھی ہم نے گزارے ہیں، ہم انھیں بہت قیمتی سمجھتے ہیں، ہم اس جامعہ اور اپنے اساتذۂ کرام کے شکر گزار ہیں اور ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔

عزیز بھائیو! مجھے معلوم ہے کہ انجمن کی تشکیل سے پہلے بھی ہمارے جو بھائی یہاں سے فارغ ہو کر مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں وہ اپنے دائرۂ اثر میں مقاصد جامعہ کے تحت کسی نہ کسی حد تک سرگرم تھے اور جو دینی روح اور دعوتی جذبہ وہ یہاں سے لے کر گئے تھے، اسے اپنے اپنے دائرۂ اثر میں عام کرنے اور بروئے کار لانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن آپ جانتے ہیں کہ کوئی دعوتی و تحریکی کام انفرادی طور پر کرنے سے وہ ثمرات و نتائج حاصل نہیں ہوتے جو اجتماعی طور پر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں، یہی وہ محرک تھا جس کی بنا پر سوا دو سال قبل ہم نے یہاں جمع ہو کر انجمن طلبۂ قدیم کی تشکیل کی، ہمارا سب سے اہم مقصد یہی ہے کہ ہم تمام فارغین منظم طور پر ان مقاصد کو حل کرنے کی کوشش کریں، جن کے تحت جامعہ کا قیام عمل میں آیا تھا، اور جن کے پیش نظر ہم نے جامعہ میں تعلیم حاصل کی ہے، نیز یہ کہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے ربط رکھیں، ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھیں اور حل کریں اور اقامت دین کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں باہمی تعاون کے ساتھ منظم طور پر ادا کرنے کی کوشش کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ سوا دو سال کی اس مدت میں انجمن کی سرگرمیوں کے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ مایوس کن نہیں ہیں، بلکہ بڑی حد تک حوصلہ افزا ہیں، انھیں دیکھ کر ہمارے بہت سے بزرگ اور خیر خواہوں نے بھی ہماری حوصلہ افزائی کی ہے، جس سے ہماری ہمتیں بلند اور عزائم میں پختگی پیدا ہوئی ہے۔

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم اپنے مقاصد اور کوششوں میں صد فی صد کامیاب ہیں۔ انسانی کوششوں میں غلطیوں کا ہونا لازمی ہے، یقیناً ہم سے غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوئی ہیں جن کا ہمیں اعتراف ہے اور آئندہ ان سے بچتے ہوئے ان شاء اللہ بہتر سے بہتر طور پر کام کرنا ہے۔

برادران محترم! اس اجلاس میں انجمن کی سرگرمیوں کی مفصل رپورٹ آپ کے سامنے آئے گی جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہماری انجمن کا کام کس کس شعبہ میں کس حد تک آگے بڑھا ہے، اس رپورٹ کی روشنی میں ہم سب مل کر آئندہ کے لئے غور و فکر کریں گے، کام کو آگے بڑھانے کے لئے منصوبے بنائیں گے اور اپنے بزرگوں سے بھی مفید مشورے حاصل کریں گے۔ اس موقع پر میں خصوصیت کے ساتھ انجمن کے ماہانہ آرگن "تجلیات نو" کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ سابقہ اجلاس میں طے شدہ قرارداد کے مطابق جنوری ۸۴ء سے "تجلیات نو" کا اجرا ہو گیا تھا، اور مالی وسائل کی کمی کے باوجود، یہ مجلہ کسی نہ کسی طرح نکلتا رہا اور بحمد اللہ نہ صرف ہمارے ساتھیوں نے بلکہ ہمارے بزرگوں اور اہل علم حضرات نے بھی اسے ہماری توقعات سے زیادہ پسند کیا، اور ہماری بہت ہمت افزائی فرمائی، جس سے ہمارے حوصلے بلند ہوئے، ہمارے ساتھیوں کی برابر کوشش ہے کہ اسے بہتر سے بہتر اور معیاری بنایا جائے، تاکہ وہ وقت کی ایک اہم ضرورت کو بھی پورا کر سکے اور فارغین جامعہ اور دیگر طلبہ و نوجوانوں کی تنظیموں میں باہم ربط پیدا کرنے کا کام بھی کر سکے۔

محترم دوستو! ہماری یہ انجمن اگرچہ بظاہر جامعہ کے طلبۂ قدیم یا فارغین کی انجمن ہے، لیکن اس کا دائرہ کار

صرف انھیں تک محدود نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ دستور میں بھی وضاحت کر دی گئی ہے اور انجمن کے مقاصد میں یہ شامل ہے کہ دیگر دینی و تعلیمی اداروں سے رابطہ رکھا جائے اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، چنانچہ یہ بھی ہمارے کام کا ایک اہم جزو ہے کہ ہم دوسری دینی تنظیموں و تحریکوں سے ربط رکھیں، خصوصاً مسلم نوجوانوں اور طلبہ کی تنظیموں اور انجمنوں سے ہمارے قریبی روابط پیدا ہونا ضروری ہیں، اور مشترک امور میں ان کے ساتھ مل کر ہمیں کام کرنا ہے، اب تک اگرچہ اس سلسلہ میں کوئی خاص پیشرفت نہیں ہو سکی ہے، لیکن آئندہ انشاء اللہ ہمیں اس سلسلہ میں کام آگے بڑھانا ہے۔

محترم دینی بھائیو! ہم امت مسلمہ کا ایک جزء ہونے کی حیثیت سے اپنے ملک اور عالم اسلام کے موجودہ حالات سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے، اس وقت ایک طرف حالات انتہائی تشویشناک ہیں، اور ہر طرف بد امنی افراتفری، بے دینی اور اخلاقی بے راہ روی کا دور دورہ ہے، لیکن دوسری طرف اگر ہم موجودہ عالمی حالات پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ اس وقت پوری دنیا میں ایک عالمی اسلامی انقلاب کی آہٹ سنائی دے رہی ہے، ایران میں اسلامی انقلاب، پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے ابتدائی اقدامات اور افغانستان میں مسلم مجاہدین کی انقلابی سرگرمیوں کی وجہ سے آج دنیا میں اسلام ایک سوالیہ نشان بن کر ابھر آیا ہے، اور دنیا بھر کے دانشور اور مفکرین یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ اسلام میں ضرور کوئی ایسی قوت ہے جس کی بنا پر باوجود اس کے خلاف منظم پروپیگنڈوں اور مسلسل سازشوں کے وہ دنیا میں ایک عظیم قوت بن کر ابھر رہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اب دنیا میں اسلام دفاعی نہیں بلکہ اقدامی پوزیشن میں آگیا ہے۔ اب ان حالات میں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اس انقلابی مہم کو کامیابی کے مرحلہ تک پہونچانے کے سلسلہ میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں، آج بہت سے مفکرین اور اصحاب بصیرت اپنا یہ تجزیہ پیش کر رہے ہیں کہ آنے والی صدی اسلام کی صدی ہوگی۔

محترم اسلامی بھائیو! اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور انھیں پورا کرنے کے لئے مل جل کر کوشش کریں، اس کے لئے جہاں تک ممکن ہو، ہر قسم کی قربانی پیش کریں، یقین جانئے بغیر قربانی کے کسی قسم کا انقلاب برپا نہیں ہو سکتا، آج اہل باطل اپنے باطل نظریات کے فروغ کے لئے بے پناہ قربانیاں دے رہے ہیں اور خصوصاً اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ ان کے دماغ اسلام کے خلاف طرح طرح کی نئی نئی سازشیں تیار کرنے میں ہمہ وقت مصروف ہیں لیکن قرآن کا یہ دعویٰ سچا ہے:— وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ (سورۃ الصف ۸)

انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب امن کی پیاسی دنیا کو اسلام کی بدولت چین و سکون نصیب ہوگا۔

آئیے ہم سب آگے بڑھ کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے اس قافلہ میں شامل ہو جائیں، اور اپنی کوششیں تیز سے تیز تر کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ آمین۔
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

تہذیبِ اسلامی کے تابندہ نقوش

☆ تاریخِ اسلامی کی یہ درخشاں اور تابناک مثالیں کیا سماجی دباؤ اور اخلاق و روایات کے استحصال کے نتیجے میں ظاہر ہوئیں :-

محمد بن جہم کو بعض ضروریات کے پیشِ نظر اپنا مکان فروخت کرنے کی ضرورت پیش آگئی، وہ سعید بن العاص ؓ کے پڑوس میں رہتے تھے، انھوں نے اعلان کیا کہ وہ مکان کے لئے پچاس ہزار درہم لیں گے، کچھ لوگ مکان خریدنے کے لئے ان کے پاس آئے تو انھوں نے کہا "مکان کی قیمت تو پچاس ہزار درہم ہوگی، مگر یہ بتاؤ کہ سعید بن العاص کا پڑوس کتنے میں خریدو گے؟" خریداروں نے کہا "بھائی کہیں پڑوس بھی بیچا جاتا ہے؟" ابن جہم نے کہا "جی ہاں، پڑوس کیسے نہیں بیچا جائے گا، میں اسکی قیمت الگ سے وصول کروں گا۔ جانتے ہو یہ کس کا پڑوس ہے، یہ ان کا پڑوس ہے کہ اگر تم ان سے کچھ مانگو گے تو تمھاری توقع سے بہت زیادہ ملے گا، اور اگر چپ رہو گے تو خود ابتدا کریں گے، اور اگر ان کے ساتھ برائی سے پیش آؤ گے تو ان کا شیوہ حسنِ سلوک ہوگا!"

کسی نے اس بات کا تذکرہ سعید بن عاص سے کیا انھوں نے ایک لاکھ درہم ابن جہم کو روانہ کئے اور کہلا بھیجا "بھائی! مکان بیچنے کی کوشش نہ کرو اور مجھے اس غفلت کیلئے معاف کردو کہ میں اپنے ہمسایہ کی ضرورت سے بروقت واقف نہ ہوسکا۔"

(از خاصانِ خدا)

ایک دفعہ حضور ؐ کے پاس کچھ مہمان آئے، آپ کے یہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا آپ نے فرمایا ان کو کون لے جائے گا؟ ایک صحابی حضرت ابو طلحہ انصاری نے اپنے کو پیش کیا اور مہمانوں کو لے گئے، گھر میں کھانا کم تھا، گھر میں یہ مشورہ ہوا کہ بچوں کو سلا دیا جائے گا، اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور ابو طلحہ ؓ بھوکے اٹھ گئے، مہمانوں کو اندھیرے میں پتہ نہیں چلنے پایا کہ ان کا میزبان کھانے میں شریک نہیں ہے، اور وہ خالی ہاتھ منہ تک لے جاتے رہے ہیں۔

سلطان ناصر الدین غلام خاندان کا درویش صفت

بادشاہ تھا، وہ اپنے مصرف کیلئے شاہی خزانے سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتا تھا، ٹوپیاں سی کر اور قرآن شریف کی کتابت کرکے وہ گذارا کرتا تھا، ایک دن روٹیاں پکاتے ہوئے اس کی بیوی کے ہاتھ جھلس گئے، تو اس نے بادشاہ سے ایک خادمہ رکھنے کی درخواست کی، بادشاہ نے جواب دیا کہ "سرکاری خزانہ رعایا کی امانت ہے، ان پیسوں سے ہمیں خادمہ رکھنے کا کیا حق پہونچتا ہے؟ تم صبر کرو، اللہ ہمیں اس کا صلہ ضرور دے گا"

ابراہیم خواص نامی بزرگ ایک مرتبہ دریا کی سیر کرنے گئے، دریا کے کنارے کھجور کے پتے توڑ کر تفریحاً ٹوکری بنانے لگے، یہ روز کا معمول بن گیا، روزانہ اسی طرح ایک ٹوکری بناکر دریا میں ڈال دیتے، ایک دن سوچا کر چل کر کیوں نہ دیکھیں کہ یہ ٹوکریاں کہاں جاتی ہیں، دریا کے کنارے چلنے لگے، کافی دور جانے کے بعد دیکھا کہ ایک بڑھیا ندی کے کنارے بیٹھی زار وقطار رو رہی ہے، پریشان ہونے کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ "میرا خاوند مرگیا ہے، اور اس کے پانچ بچے یتیم ہیں، اب تک تو ٹوکریاں نکال نکال کر روزانہ گذر کرتی رہی، اب تو ٹوکریاں بھی آنی بند ہوگئیں، اب میں کیونکر زندہ رہوں گی"۔ اتنا سن کر ابراہیم خواص نے بچوں کی تربیت ونگرانی کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور بچوں کی تربیت کو ہی اپنی زندگی کا حاصل سمجھا۔

(حجاب، فروری ۱۹۸۶ء)

مشہور سلجوقی بادشاہ سلطان الپ ارسلان کی شہنشاہ قسطنطنیہ سے جنگ ہوئی، سلطان نے بقول مشہور مورخ گبین شہنشاہ کو صلح کا پیغام بھیجا، لیکن اسے صلح میں دلچسپی نہ تھی، بلکہ اسے سخت وتشدد کا جواب ملا۔ الپ ارسلان کو جب یقین ہوگیا کہ رومی شہنشاہ کی نخوت اور بیہودگی

خدا جانے کس قدر بندگان خدا کا خون ناحق بہلائے گی، تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ تخت سے نیچے اتر آیا۔ فرش خاک پر سر رکھکر اللہ عز وجل کے حضور خشوع وخضوع کے ساتھ اپنی فروتنی وعاجزی کا اظہار کیا اور راہ خدا میں استقامت کی دعا کی۔

چنانچہ فتح کا سہرا مسلمانوں کے سر بندھا، شہنشاہ روم کبھی دیگر اسیران جنگ کے ساتھ دربار سلطانی میں پیش ہوا۔

مورخ گبین لکھتا ہے:-

"جب شہنشاہ روم الپ ارسلان کے سامنے آیا، تو سلطان تخت سے اٹھا، چند قدم آگے بڑھا، نہایت تپاک کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور عزت واحترام کے ساتھ اپنے برابر سے جگہ دی، ہفت روزہ جشن شاہانہ کے بعد سلطان نے اس سے کہا:-

"شکست کے بعد تمہیں کس سلوک کی امید ہوسکتی ہے"

شہنشاہ نے بے ساختہ کہا:-

"اگر ظالم ہو تو قتل کردو، متکبر ہو تو مجھے قید میں ڈال دو، اور اگر دور اندیش اور فیاض ہو تو فدیہ لے کر آزاد کردو"

سلطان نے کہا:- "اگر مجھے شکست ہوجاتی اور میں قید ہوجاتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟"

شہنشاہ نے کہا:- "اگر تم قید ہوتے تو میں تمہارے لئے سزائے تازیانہ تجویز کرتا"

انگریز مورخ گبین اس جواب کے بارے میں لکھتا ہے کہ "اگر یہ جواب دور اندیشی کے مقتضی نہ تھا تو احسان فراموشی میں مزید شامل تھا"

سلطان یہ گستاخانہ جواب سن کر ہنس پڑا، اور کہا:-

"عیسائیوں میں یہ دستور ہوتو ہو لیکن اسلام ہمیں ایسی تعلیم کی اجازت نہیں دیتا، الحمد للہ کہ میں تمہاری تہذیب میں نہیں ہوں، میں آپ کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جس کی اسلام نے مجھے اجازت

دی ہے"۔

چنانچہ سلطان نے دس لاکھ درہم بطور فدیہ ساٹھ ہزار دینار سالانہ خراج اور مسلمان اسیران جنگ کی رہائی پر شہنشاہ سے صلح کر لی۔ (مشاہیر اسلام ص ۲۱۹)

سلطان محمود غزنوی نے ایک بار حضرت ابوالحسن خرقانیؒ سے ملاقات کرنے کے لئے ان کی کٹیا پر حاضری دی۔ شاہانہ لباس ایاز کو پہنایا اور خود ایاز کا لباس زیب تن کیا اور دس نوجوان لونڈیوں کو بھی مردانہ لباس پہنا کر اپنے ساتھ لیا۔ حضرت کی کٹیا پر پہنچا اور "السلام علیکم" کہا۔ حضرت نے بیٹھے ہی بیٹھے بغیر کسی تعظیم کے "وعلیکم السلام" کہا۔ محمود نے کہا "حضرت آپ نے بادشاہ کی تعظیم نہیں کی؟" آپ نے فرمایا "یہ تو ایک جال ہے"۔ محمود نے تبسم کر کے کہا "کاش آپ جیسے پرندے اس جال میں پھنس سکتے!" حضرتؒ نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر مسند کے برابر بٹھایا، اور باقی ہمراہیوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

محمود:- "حضرت! کچھ فرمائیے"۔

درویش:- "پہلے نامحرموں کو باہر نکال دو"۔

چنانچہ بادشاہ کے حکم سے تمام لونڈیاں جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھیں، باہر ہو گئیں۔

محمود:- حضرت بایزید بسطامیؒ کے حالات و اقوال سے کچھ بیان فرمائیے۔

درویش:- حضرت بایزید بسطامی کے اقوال سننے کی تاب ہے تو سنو، وہ فرماتے ہیں: "جس نے مجھے دیکھا وہ اپنی بدبختی سے بے خطر ہو گیا"۔

محمود:- آنحضرتؐ کو ابوجہل، ابولہب اور کتنے منکروں نے دیکھا اور وہ بدبخت کے بدبخت ہی رہے، کیا حضرت بایزید بسطامی کا درجہ آنحضرتؐ سے بلند ہے کہ ان کو دیکھتے ہی بدبختی کا خوف زائل ہو جاتا ہے۔

درویش:- بس اسی لئے کہتے تھے کہ حضرت بایزیدؒ کا کوئی قول سناؤ، ان کے اور دیگر صوفیائے کرامؒ کے اقوال سننے کی تاب وہی لوگ لا سکتے ہیں، جو اس رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔ محمود! یاد رکھو کہ آنحضرتؐ کو صحابہؓ ان کے چار یار اور کبار صحابہؓ کے سوا کسی نے حقیقت میں نہیں دیکھا، اگر ابولہب ابوجہل اور دیگر منکرین اس نظر سے دیکھتے جس نظر سے خلفاء راشدین نے دیکھا تھا تو وہ بلا شک اپنی بدبختی سے دور رہتے، ــــ لیکن ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے:-

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ـ

محمود:- یا حضرت! اب مجھے نصیحت فرمائیے۔

درویش:- چار باتوں کا خیال رکھو: (۱) ممنوعات سے پرہیز (۲) نماز باجماعت (۳) سخاوت (۴) حق تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت و مہربانی۔

آخر میں محمود نے حضرت کو اشرفیاں دینی چاہیں لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ (نظام اخلاق طوسی حصہ دوم ص ۲۳۵)

سلاطین گجرات میں ایک دلچسپ واقعہ گزرا ہے

ایک مرتبہ اس کے داماد نے جوانی و حکومت کی سرمستی میں ایک آدمی کا ناحق خون کر دیا۔ سلطان کو خبر ہوئی، اس نے گرفتار کر کے مقدمہ قاضی کے پاس بھیجا۔ قاضی نے مقتول کے وارث کو راضی کر کے ۲۰۰ اشرفیاں خون بہا میں تجویز کیں۔ بادشاہ نے کہا: بے شک مقتول کا وارث راضی ہو گیا ہے لیکن اس قسم کے فیصلوں سے بدشعار اور بدمست دولت مندوں کو حوصلہ ہو جائے گا، جس کو چاہیں گے جان سے مار کر چند اشرفیاں خون بہا میں دے دیں گے، اس لئے اس مقدمہ میں مجھ کو بجائے قصاص لینا چاہئے۔ چنانچہ داماد کو پھانسی کی سزا دی اور حکم دیا کہ لوگوں کو خصوصاً دولت مند قرابت داروں کی عبرت کے لئے ایک دن رات تک لاش لٹکی رہے۔ (تاریخ گجرات)

ساری تاریخ اسلام کے یہ واقعات کیا دوبارہ دہرانے ممکن نہیں ہیں؟ یہ سارے زریں کارنامے نظریۂ خرد کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

از قلم عبداللہ (مدینہ منورہ)

نوائے دردِ دل

مجھ سے میرے ایک دوست نے سوال کیا کہ مولانا مودودی کے انتقال پُر ملال کے بعد سہارنپور، ندوہ کے مشائخ، اہل حدیث اور اہل قلم اب کس کی گردن پر اپنے علم و قلم کے جوہر دکھائیں گے؟ میں اس کا جواب نہ دے سکا کہ میں دیوبند و ندوہ کے نیاز مندوں میں ہوں، اور نادم سا ہو کر رہ گیا۔

چند روز کے بعد الفرقان لکھنؤ کا نومبر و دسمبر کا مشترکہ شمارہ ملا۔ عجیب اس سوال کا جواب بن کر میرے سامنے آگیا، اور معلوم ہوا کہ دیوبند کا ندوی علم و فضل کی پوری ٹیم اپنے سارے دینی و دنیوی مشاغل چھوڑ کر مولانا مودودی کا تعاقب کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے، تاکہ اپنی بھی دینداری، "خدا ترسی" اور اپنا تقویٰ اور فکر آخرت کی مساعی ثابت کر کے دکھائیں اور مولانا مرحوم کی "گمراہی" "و فتنہ سامانی" اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔

ان حضرات کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات نہیں آئی کہ مولانا مرحوم تو میدان معاصرت ان کے حوالے کر کے آگے نکل گئے ہیں اور دوسرے جہان میں پہنچ چکے، اب صرف لکیر پیٹتے رہنے سے اپنی ہی جگ ہنسائی کے سوا کیا حاصل ہوگا؟ ہر پڑھا لکھا آدمی یہ کہنے پر مجبور رہے گا ع

سگ کو ضم و بد دور ہیں آپ دیکھتے

الفرقان کے اسی شمارہ کو دیکھ کر ایک اہل قلم عالم دین نے فرمایا — "میرا یقین ہے کہ مودودی صاحب کی مغفرت میں اگر کوئی کسر رہ گئی ہوگی تو نعمانی صاحب کی اس تحریر بلا تشبیہ سے پوری ہو جائے گی۔"

آنکھوں دیکھا ایک تاریخی واقعہ:- انگریز نے

جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی آڑ لے کر ہندوستان میں عمل دخل حاصل کر کے قبضہ کر لیا تو ایک انگریز دانشمند لارڈ میکالے نے نظام تعلیم میں تاریخ ہند کا ایک ایسا خاکہ بنا کر رکھ دیا کہ ہندوؤں کے جذبات کا رخ سابقہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہو جانے پر ندوہ کے بانی علامہ شبلی نعمانی کو لکھنا پڑا ع

تعصب نے جس کے ساری داستاں میں یاد رکھا تھا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

ہمارے اسی ندوہ و دیوبند کے آج کے اہل قلم نے انگریز دانشوروں کی پیروی میں مولانا مودودی کی وفات کے بعد ان کے شہرۂ آفاق اسلامی لٹریچر اور ان کی عظیم الشان، نادرۂ روزگار، عالمانہ تصانیف تفہیم القرآن، ترجمہ قرآن، سیرت سرور عالم، الجہاد فی الاسلام، تفہیمات، تنقیحات، رسائل و مسائل (جن کا دنیا کی بائیس زبانوں میں ترجمہ ہو کر نصاب میں شامل ہے) اور ایسی ہی ایک لا ثانی ساٹھ تصنیفات کو یکسر نظر انداز کر کے صرف ایک کتابچہ پر دل کا غبار یوں نکالا ہے کہ — "اس سے فتنہ پھیل سکتا ہے" اور ہم مولانا مرحوم کے متبعین کو غلو سے بچانے کے لئے شمشیر قلم لے کر میدان جہاد میں نکل آئے ہیں، اگرچہ مولانا مرحوم اس جہان میں پہنچ چکے ہیں جس جہاں میں ان حضرات کو بھی نہ صرف پہنچنا ہے بلکہ وہاں فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ سے سابقہ پیش آنا بھی یقینی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ

دنیا کی عظیم ترین عینی شہادت:- عاشق کا جنازہ تھا

(باقی ہے — ...)

ڈاکٹر بدیع الزماں ازہری
سینئر ریسرچ اسکالر — شعبۂ عربی
بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس

علم کا مفہوم اسلام کی نگاہ میں!

"علم" — جاننا، حقیقت تک پہنچنا، اس کی ضد جہل ہے
"عالم" — صاحب علم، تعلیم یافتہ اور واقف کار کو کہتے ہیں۔
عربی میں ایسے علوم اور ان کی شاخیں ہیں، سنسکرت میں چودہ علوم اور ان کے بہت سے شعبے ہیں، چنانچہ عربی کے مشہور علوم یہ ہیں: — صرف، نحو، لغت، معانی، بیان، عروض، قافیہ، انشاء، رسم الخط، معجم، مناظرہ، قراءت، حدیث، تفسیر، فقہ، فرائض، اصول، کلام، منطق، حکمت — جن میں بہت سے علوم شامل ہیں، جیسے ہیئت، ہندسہ، الٰہی، ریاضی، عدد، طب، فلاحت، کیمیا، نجوم، موسیقی، مناظرہ ومرایا، جبر ومقابلہ، جرثقیل، رمل، جفر، علم سیمیا، لیمیا، اسطرلاب، محاضرات (یعنی لطیفہ گوئی، دعوت حیوانی) تعبیر، تعویذ، تصوف، اخلاق اور علم تاریخ وجغرافیہ وغیرہ وغیرہ۔[1]

اس بات سے قطع نظر کہ وجود علم کا تعلق خدا سے ہے یا کسی مخلوق سے، علم قدیم ہے یا حادث، ان دونوں چیزوں کے مابین کوئی تناسب نہیں ہے اور جب متکلمین نے علم اور معرفت کے درمیان تفریق کی ہے، انھوں نے اولی الذکر کا استعمال مرکب اور عالمگیر اور ثانی الذکر کا استعمال ان اشیاء کے لئے کیا ہے جو عام طور سے پائی جاتی ہیں اور جن کی پہچان کے لئے ان کے نام رکھ دیئے گئے ہیں۔

علم کی ضرورت

اگرچہ علم بغیر عمل کے بیکار ہے۔ مگر عمل کیا ہے؟ کون سا عمل کرنا چاہئے، کون سا نہیں، عمل کی کیفیت کیا ہے، ان سب کا جاننا علم ہی پر تو منحصر ہے، اس کے لئے بھی تو پہلے علم حاصل کرنا پڑے گا، یہاں عمل کے مقابلے میں بھی علم ہی افضل رہا۔

کسی شے کے افضل اور غیر افضل ہونے کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ اس شے کا نتیجہ اور انجام کیا ہے، اگر نتیجہ اور انجام بہتر ہے تو وہ شے بھی اچھی ہے ورنہ بری ہے، یہ معلوم ہی ہے جیسا کہ علم کے نتیجے میں اخلاق، بہتری، اچھی اور پسندیدہ خصلتوں کے سوا کچھ اور نہیں ہے، اس لئے خود علم کے بہتر ہونے میں کسی کو کوئی انکار نہ ہوگا۔[1]

[1] فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، مؤلفہ مولوی صاحب دہلوی سید احمد دہلوی ص ۲۸۱

[1] اسلام کی اخلاقی تعلیمات امام غزالی کی تصنیف احیاء علوم الدین، ترجمہ رشید احمد ایم اے۔

وہ انسان خواہ کیسا ہی نیک کام کرے لیکن علم حاصل کرنے والے کے مقابلے میں اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ علم کے ساتھ جو شخص معمولی سا عمل یا نیک کام کرتا ہے تو جہل کے ساتھ ساری زندگی کے عمل سے بہتر ہے۔ اس لئے عمل میں بھی سب سے بہتر علم ہے، تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے کہ چند گھنٹے علم میں غور و فکر کرے، اگر مریض کو دوا نہ دی جائے، اور اس کو تین روز غذا نہ دی جائے تو وہ مرجائے گا۔ یہی دل کا حال ہے، اگر دل کو تین دن بھی علم و حکمت نہ ملے تو وہ مرجاتا ہے، دل کی غذا علم و حکمت ہے، اگر دل علم و حکمت طلب نہیں کر رہا ہے تو وہ مریض سمجھا جائے گا۔ [1]

علم کے سبب انسان کو برے بھلے کی تمیز ہوتی ہے تب وہ برائی سے بچنے کی اور بھلائی کو حاصل کرنے کی بار بار کوشش کرتا ہے، خدا بھی ایسے شخص پر مہربان ہوتا ہے جو برائی کے بعد توبہ کر لیتا ہے، اور یہ توبہ اور برائی سے بچنے کی سعادت بھی علم ہی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جاہل کو احساس بھی نہیں ہوتا اور وہ برائیوں کے جنگل میں بھٹکتا رہتا ہے۔ [2]

علم ہی تمام نیکیوں کی اصل اور ایمان کا لباس ہے، محض ایمان تو ایک خالی سی چیز ہے، انسان کے اندر تقویٰ اور پاکیزگی ہو تو وہی اس ایمان کے لئے لباس ہے اور انسان میں عزت و مروت ہو تو ایمان کو اس سے حسن آرائش ملتی ہے، اور علم ہو تو گویا ایمان کی تکمیل ہو گئی۔ [3]

عالم اپنے علم سے خدا کی مخلوق کو جو فائدہ پہنچاتا ہے وہ عابد و زاہد کو نصیب نہیں، اس لئے عالم کا درجہ عابد شب بیدار سے کہیں زیادہ ہے۔ [4]

[1] اسلام کی اخلاقی تعلیمات امام غزالیؒ خلاصہ احیاء علوم الدین - ترجمہ رشید الوحیدی ایم اے۔ ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ص ٢٥ ص ٥١ تا ٥٢۔
[2] ایضاً [3] ایضاً - [4] ایضاً۔

علم سے اللہ پاک دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جیسے موسلا دھار بارش سے زمین میں تازگی آجاتی ہے۔ [5]

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ابن عباسؓ سے مروی ہے آپؐ نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابد سے زیادہ حاوی ہوتا ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علم سے مراد کون سا علم ہے؟

جس علم کو رسولؐ نے فرض عین قرار دیا ہے اس کے تعیین میں بڑا اختلاف ہے، ہر ایک نے اسی علم کو فرض عین قرار دیا ہے، جس سے اس کی اپنی دلچسپی تھی، اس سلسلہ میں ہم ابجد العلوم مولفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی سے ایک اقتباس نقل کریں گے:-

اعلم أن العلماء اختلافاً عظیماً فی تعیین ذلک العلم وهو أکثر من عشرین قولاً وحاصله أن کل فریق نزّل الوجوب علی العلم الذی هو بصدده وقال المفسرون والمحدثون هو علم الکتاب والسنة اذ بهما یتوصل منائح العلوم وهو الحق الذی لا محید عنه ولا مصیر الا الیه وعلیه جمهور المحققین من السلف والخلف بالاتفاق بینهم۔

ترجمہ: جان لو کہ اس علم کے تعیین میں علماء کے مابین بڑا

[5] اسلام کی اخلاقی تعلیمات خلاصہ احیاء علوم الدین ترجمہ رشید الوحیدی ایم اے ص ٥٢-٥٣ [6] ابجد العلوم مولفہ نواب صدیق حسن خاں جلد ١ ص ٣١٥

اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں بیس سے بھی زائد اقوال ہیں جن کا ماحصل یہی ہے کہ ہر فریق نے اسی علم کو واجب قرار دیا جو خود اس کے اپنے سینے میں تھا۔ مفسرین و محدثین کا کہنا ہے کہ وہ علم کتاب و سنت کا علم ہے، کیونکہ انھیں دونوں سے سارے علوم نکلتے ہیں، یہی صحیح ہے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں، اسی پر اسلاف و اخلاف محدثین کا اجماع ہے۔

صاحب مشکوٰۃ[1] نے اپنی تالیف مشکوٰۃ المصابیح کے کتاب العلم پر جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے، اس سے بھی مندرجہ بالا قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں :-

قوله كتاب العلم اى فضله وفضل تعلمه و تعليمه وبيان ما هو علم شرعا وهو اعم من الكتاب والسنة .... والعلم نور فى قلب المؤمن مقتبس من مصابيح مشكوة النبوة من الاقوال المحمدية والافعال الاحمدية يهتدى به الى الله وصفاته وافعاله واحكامه فان حصل بواسطة البشر فهو كسبى، الا فهو العلم اللدنى المنقسم الى الوحى والالهام والفراسة[2]

ترجمہ: کتاب العلم سے مراد اس کی فضیلت یعنی اس کو سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت اور اس کا بیان جو شرعاً علم ہے۔

علم قلب مومن کے اندر ایک نور ہے جو اقوال محمدیہ اور افعال محمدیہ کی شمع نبوت سے منور ہے اور جس سے وہ اللہ، اسکی صفات اور اس کے افعال و احکام کی معرفت حاصل کرتا ہے، اگر واسطہ انسانی سے حاصل ہے تو کسبی ہے،

ورنہ علم لدنی[1] ہے جس کی تین قسمیں ہیں یعنی وحی، الہام اور فراست۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی تحریر بھی اس کی تصدیق کرتی ہے، لکھتے ہیں :-

المراد بالعلم فى الاحاديث المذكورة علم الدين والشرع المبين وهو علم الكتاب العزيز والسنة المطهرة لا ثالث لهما وليس المراد به العلوم المستحدثة فى العالم قديمة وجديدة اعتنى الناس بها فى هذه الازمان[2] .....

ترجمہ :- احادیث مذکورہ میں علم سے مراد دین و شریعت کا علم ہے اور وہ کتاب و سنت کا علم ہے، ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں، اس سے مراد وہ علوم نہیں جو دنیا میں ایجاد کئے گئے ہیں چاہے وہ قدیم ہوں یا جدید یعنی اس دور میں لوگ علوم کا جو مفہوم مراد لیتے ہیں۔

> "مسلمان اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری قوم کے تصور سے بالکل مختلف ہے ہماری قومیت کا اصل اصول اشتراک زبان ہے نہ اشتراک وطن نہ اشتراک اغراض اقتصادی بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو رسالتماب نے قائم کیا تھا شریک ساہیں"
>
> (علامہ اقبالؒ - ۱۹۱۰ء)

[1] صاحب مشکوٰۃ یعنی الشیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی [2] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح ص۳۲ مکتوبہ رشیدیہ دہلی۔

[1] علم لدنی، وہ علم جو کسی کو خدا تعالیٰ کے پاس سے محض اس کے فیض سے بغیر از محنت و استاد حاصل ہو۔ فرہنگ آصفیہ جلد سوم ص۲۵۴ [2] ابجد العلوم ص۹۱ مولفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی۔

دریائے خون کے کنارے

عالم ارواح میں
ہٹلر، مسولینی، سٹالن، خروشیف
اور ماؤنٹ بیٹن کی گفتگو
جناب نسیم حجازی کے تاریخ شناس قلم سے
ایک ایسی تحریر
جس میں شعور کے ساتھ ساتھ
جذبہ بھی سمٹ آیا ہے۔

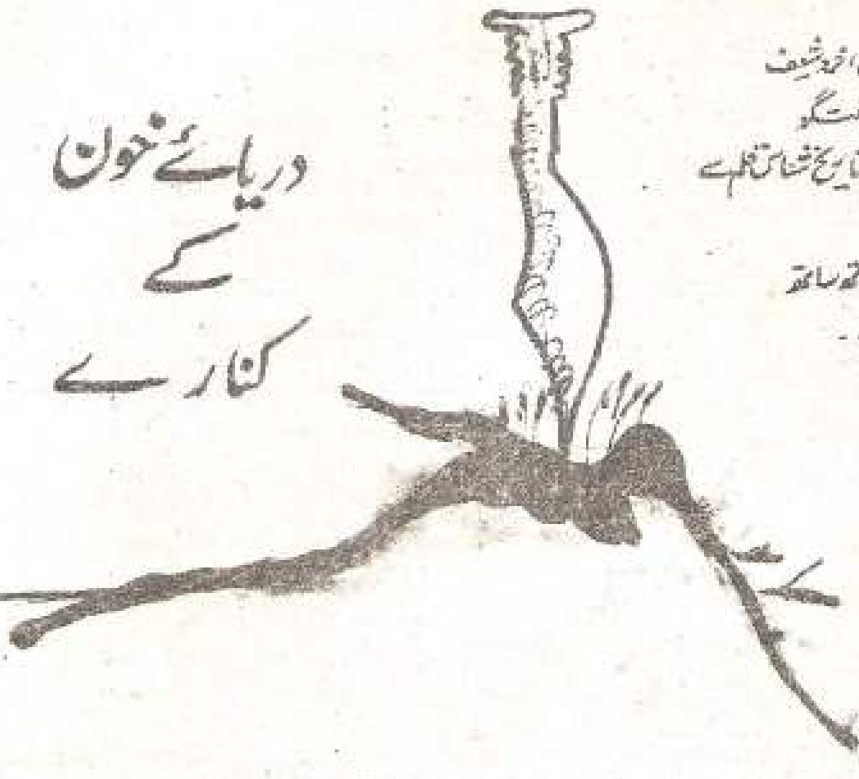

عالم ارواح میں ابلتے ہوئے خون کا دریا بہ رہا ہے اور اس کی بھاپ سے ایک دھندلکا چھایا ہوا ہے، ہٹلر، مسولینی، سٹالن، خروشیف اور ماؤنٹ بیٹن کے ہیولے یکے بعد دیگرے کنارے کے ایک ٹیلے پر نمودار ہوتے ہیں اور ایک نصف دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں، ان کے درمیان کچھ خالی جگہ ہے۔ ......

سٹالن :- ساتھیو! یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ دنیا چھوڑنے اور اس ویرانے میں بھٹکنے کے بعد بھی ہم ایک دوسرے کی خوشی یا غم میں شریک نہ ہو سکیں، مجھے چنگیز خاں کی بے اعتنائی کا سخت افسوس ہے، میں بذات خود اس کے پاس یہ درخواست لے کر گیا تھا کہ آپ ہمارے ہنگامی اجلاس کی صدارت فرمائیں، میں تنگ و تاریک راستوں پر انتہائی گرم مقامات سے گزر کر اس کی قیام گاہ تک پہنچا تھا، لیکن اس نے یہ کہہ کر مجھے ٹال دیا کہ میری فتوحات کا زمانہ تیر و کمان اور گھوڑے کا زمانہ تھا، میرے سپاہی ایک ایک آدمی کا سر تلوار سے کاٹ کر مینار بناتے تھے، اس لئے مجھے ایسی جنگوں سے کوئی دلچسپی نہیں، جن میں تم گھر بیٹھے کوسوں دور بستیوں اور شہروں کو برباد کر دیتے ہو۔ تمہاری فتوحات تمہاری بہادری سے زیادہ تمہاری سنگدلی کا ثبوت ہیں، میں اس لئے بھی اس زمانے کے مکار اور بے رحم سیاست دانوں سے خفا ہوں کہ وہ الٹا مجھے وحشی کہتے ہیں، بہرحال یہ ڈھنگ بہت کامیاب ہوگی۔ لارڈ کچوا اس اعتماد کے ساتھ نپولین بونا پارٹ کے پاس گئے ہیں کہ وہ خوشی سے اس اہم اجلاس کی صدارت قبول کر لیں گے۔

مسولینی :- نپولین بونا پارٹ اب بھی بہت مغرور ہے

مجھے ڈر ہے کہ وہ لارڈ کچنر سے ملاقات نہیں کرے گا ۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن :- یہ لارڈ کچنر کی خوش قسمتی کی توہین ہے ، مجھے یقین ہے کہ روس کے اقدامات کے متعلق سن کر نپولین ضرور آئے گا ، مجھے صرف یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم میں سے کسی نے بلا سوچے سمجھے کوئی ناگوار بات کر دی تو وہ بگڑ جائے گا ، آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ وہ چھوٹے بڑے ڈکٹیٹروں کی پروا نہیں کرتا ، اور اس دنیا میں اسے سب سے بہتر جگہ دی گئی ہے ۔

ہٹلر :- روس کے متعلق وہ جو کچھ کہے گا ، وہ یقیناً دلچسپ ہو گا ، لیکن کچنر شاید کامیاب ابھی ثابت نہ ہو بہتر ہوتا کہ ہم ڈاکٹر گوئبلز کو بلا لیتے ۔

ماؤنٹ بیٹن :- میں نپولین بوناپارٹ کے متعلق پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر گوئبلز جیسے آدمی کا جادو اس پر نہیں چل سکتا ، گو یہ صرف جرمنوں کو دھوکہ دے سکتا تھا ، اور اگر آپ برا نہ مانیں تو میں یہ کہوں گا کہ ڈاکٹر گوئبلز نے آپ کو بھی خود فریبی میں مبتلا کیا تھا ۔

نپولین اور کچنر نمودار ہوتے ہیں ، کچنر ، نپولین کو بازو سے پکڑ کر درمیان میں لے جاتا ہے ، سٹالن اور خروشیف اٹھ کر اسے سلیوٹ کرتے ہیں اور اس کے دائیں بائیں بیٹھ جاتے ہیں ، کچنر ، ہٹلر اور مسولینی کے قریب بیٹھ جاتا ہے ۔

سٹالن :- کامریڈ نپولین میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں ، یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ آپ اس دنیا میں بھی ہمارے قریب آنے سے اجتناب کرتے رہے ۔

نپولین :- اگر کچنر ، افغانستان پر روس کی یلغار کا ذکر نہ چھیڑتا تو میں آج بھی یہاں آنا پسند نہ کرتا ۔

خروشیف :- میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہماری خوشی میں شامل ہونا منظور کر لیا ہے ۔

نپولین :- کس بات کی خوشی ؟

سٹالن :- آپ کو لارڈ کچنر نے نہیں بتایا ؟

نپولین :- لارڈ کچنر نے مجھے بتایا ہے کہ روس نے افغانستان پر فوج کشی کر دی ہے ، اور پورا ایک سال ہزاروں انسانوں کا خون بہانے کے بعد اسے صرف یہ کامیابی ہوئی ہے کہ وہ ساری دنیا کو ایک مضحکہ خیز نظر آتا ہے ، میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب ایک انسان پوری دنیا کے لئے خطرہ بن جاتا ہے تو اس کا ہر قدم تباہی کی طرف اٹھتا ہے ، اس کی عظیم ترین فتوحات کا نتیجہ ایک آخری شکست میں ظاہر ہوتا ہے ۔

سٹالن :- مثلاً واٹرلو یا سٹالن گراڈ جیسی شکست ۔

نپولین :- اگر میں اپنے دشمنوں سے وہ سلوک کیا ہوتا جو تم اور ہٹلر اپنے شکست خوردہ دشمنوں سے کرتے تھے تو یورپ کی تاریخ میں واٹرلو کا ذکر نہ آتا ، میرا اصول یہ تھا کہ جب کسی سلطنت کا حکمران ہار مان لیتا تھا تو اس کے ساتھ عزت سے پیش آتا تھا اور اسے عدل و انصاف قائم کرنے کی ترغیب دیتا تھا ، میرے حریف بونے تھے لیکن یہ انگریزوں کی سیاست کی کامیابی تھی کہ انہوں نے انہیں متحد کر کے میرے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا دیا تھا

ہٹلر :- تمہاری نسبت انگریز میرے معاملے میں زیادہ کامیاب تھے ، میرے خلاف وہ اپنے بحری بیڑے کی بدولت اپنی وسیع سلطنت کے علاوہ امریکہ کی افواج بھی لے آئے تھے ۔ میرا المیہ یہ بھی تھا کہ میرا سب سے بڑا ساتھی مسولینی تھا ۔

مسولینی :- ہم دونوں بدقسمت تھے ، آپ نے خود کشی کی تھی اور مجھے گولی مار کر الٹی پھانسی دی گئی تھی ۔

نپولین :- الٹی پھانسی ! وہ کیا ہوتی ہے ؟

مسولینی :- مجھے الٹا لٹکا دیا گیا تھا ۔

سٹالن :- اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ موت کے بعد تمہارا سر آسمان کی طرف تھا یا زمین کی طرف ۔ میری قبر اکھاڑ دی گئی تھی ، میرے ساتھی تو سمجھے تھے کہ میرے سے

ساتھیوں نے مجھے بد ترین گالیاں دی تھیں، لیکن میں جب اس دنیا میں پہنچ چکا تھا تو شکایت بے سود تھی۔

زرو شیف :- کامریڈ، اگر آپ کا اشارہ میری تقریر کی طرف ہے، تو میرا جواب یہ ہے کہ ہمارا نظام ہی ایسا ہے، پہلے ڈکٹیٹر ظلم اور تشدد سے لوگوں کے دل میں خوف پیدا کر دیتا ہے، اور اس کے بعد آنے والا اپنی دہشت بٹھانے کیلئے اپنے پیشرو کو گالیاں دے کر لوگوں کے دلوں سے اس کا خوف نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ کے بعد میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، آپ اس لحاظ سے یقیناً خوش قسمت تھے کہ زندگی کا آخری سانس لینے تک ایک گھنٹہ کے لئے بھی اپنے ساتھیوں کے رحم و کرم پر نہ تھے، لیکن یہ بحث اس ٹیبل سے تعلق نہیں رکھتی، ہمیں بونا پارٹ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ آپ یہ پوچھنے کے لئے بے قرار تھے کہ افغانستان پر چڑھائی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور ہمارے کامریڈ برزنیف مبارکباد کا مستحق سمجھتے ہیں یا نہیں۔

ہٹلر :- یہ برزنیف کون ہے؟

زرو شیف :- وہ روس کا نیا مرد آہن ہے، اس نے افغانستان پر فوج کشی کر دی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ اگر اسے اپنے توسیعی پروگرام میں کامیابی ہوئی تو اسے سوویٹ روس کی تاریخ میں سب سے بڑا سمجھا جائیگا۔

ماؤنٹ بیٹن :- یہ کبھی نہیں ہو سکتا، مشرق و مغرب کی اقوام اس کے عزائم سے پوری طرح باخبر ہیں، اسے عبرتناک ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا، اور نئے سوویٹ لیڈر اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو مسولینی سے اس کے ساتھیوں نے کیا تھا۔

مسولینی :- میں بے تابی سے اس کا انتظار کروں گا

چرچل :- آپ کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا دنیا کی تازہ خبریں یہ ہیں کہ، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا، چین، جاپان اور اسلامی بلاک کے تمام ممالک ایک صف میں کھڑے ہو رہے ہیں، انسانی تاریخ میں ساری دنیا کبھی ایک طاقت کے خلاف اس طرح متحد نہیں ہوئی۔

ماؤنٹ بیٹن :- یہاں آنے سے تھوڑی دیر قبل، میری چند ایسے آدمیوں سے ملاقات ہوئی تھی، جو افغان حریت پسندوں کی گولیوں کا نشانہ بن کر یہاں پہنچے ہیں اور وہ تازہ ترین خبر یہ لائے ہیں کہ ان دنوں اسلام آباد، یعنی پاکستان کے دارالحکومت میں روسی جارحیت کے خلاف اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کا جو اجلاس ہو رہا ہے، اس میں متفقہ طور پر روسی جارحیت کی مذمت کی گئی ہے اور یہ روس کے لئے بہت ہی خوفناک بات ہے، میں نے ہندوستان اس وقت چھوڑا تھا جب جواہر لال نہرو کو یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ میں نے پاکستان کو بالکل نیم جان کر دیا ہے۔ اب یہ ایسی عمارت ہے جو قائم نہیں رہ سکتی، اور ہندو جاتی میری بہت ممنون تھی، میں بھی ان کا بہت ممنون ہوں کہ جب مجھے اپنے گناہوں کی سزا ملی، اور میں اچانک یہاں پہنچ گیا، تو بھارت کی حکومت نے پورا ایک ہفتہ میرا سوگ منایا تھا، لیکن یہ خبر سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ پاکستان کی آواز ساری دنیا کی آواز بن رہی ہے، اور میری قوم بھی اس کے ساتھ ہے اور ان افغانوں کے حق میں آواز بلند کر رہی ہے جنہوں نے تین جنگوں میں ہر بار ہمارے دانت کھٹے کئے تھے، یہاں تک کہ ہم نے کابل پر قبضہ کرنے کا خیال ہی ترک کر دیا۔

چرچل :- قوموں کی زندگی میں ایک فرد کی پسند یا ناپسند کوئی اہمیت نہیں رکھتی، ہماری قوم نے افغانستان کی طرح سوڈان پر بھی فوج کشی کی تھی، لیکن ایک درویش نے ہمیں ناکوں چنے چبوا دئیے تھے، ہمارا جنرل گارڈن مارا گیا تھا، اور پھر دس سال کی تیاریوں کے بعد ہم نے انتقامی حملہ کیا تھا، صحرا میں پیاس سے مرنے کے خوف سے ہم بذریعہ ریلوے لائن مصر سے سوڈان گئے تھے، میں برطانوی لشکر

کا کمانڈر انچیف تھا، برطانوی سلطنت کی لاتعداد افواج اور بہترین اسلحے کے باوجود ہمیں سخت نقصان اٹھانے کے بعد کامیابی ہوئی تھی، لیکن یہ ماضی کی باتیں ہیں زمانے کے حالات بدلتے رہتے ہیں، آج افغانستان میں روسی جارحیت کے خلاف سوڈان اور انگلستان کے جذبات ایک ہیں۔

خروشیف :- ہم نے پورے تیس سال کے بعد افغانستان پر قبضہ جمانے کی کوشش کی ہے، ہم نے وہ سڑکیں اور پل بنائے تھے جن پر آج ہمارے ٹینک اور توپ خانے کابل اور وہاں سے دوسرے مقامات تک پہنچ رہے ہیں اور افغان حکومت ہمیں اس کام کے لئے مزدور مہیا کرتی تھی، پھر ہم نے حکومت کے اندر ایسے اہل کار پیدا کئے جو اپنی حکومت سے معمولی تنخواہ پاتے تھے اور ہمارے ایجنٹوں سے بھاری وظائف لیتے تھے، آہستہ آہستہ ہمارا اثر وزیروں اور بڑے بڑے فوجی افسروں تک پہنچ چکا تھا، ہم نے بھارت سے دوستی کی اور اسے پاکستان کی مخالفت میں افغانستان کا حلیف بنا دیا، لیکن ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کابل ریڈیو کے پروپیگنڈے کے باوجود ظاہر شاہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینا پسند نہیں کرے گا، اس نے پاکستان کا دورہ کیا، تو ہمارے ماہرین نے یہ اطلاع دی کہ وہ افغانستان کے مستقبل کے متعلق اہم معاملات اور ایک افغان کے ذہن سے سوچتا ہے پھر ہم سردار داؤد کو آگے لے آئے، انقلاب اتنا کامیاب تھا کہ کسی کو محسوس بھی نہ ہوا، پھر جب ہم نے کھلے بندوں افغانستان پر اپنا تسلط جمانے کی تیاریاں شروع کردیں اور افغان ہوابازوں کو کابل میں تربیت دے رہے تھے، فوج اور طلبہ میں ہم اپنے لوگوں کو تربیت دے چکے تھے، جو کھلے بندوں اشتراکی الحاد کی تبلیغ کرتے تھے، پھر یوں ہوا کہ سردار داؤد کی کئی باتوں سے جن میں ایک یہ بھی تھی کہ اس نے پاکستان کا دورہ کیا، اور اس کے استقبال میں حکومت اور عوام کی گرم جوشی دیکھ کر کامریڈ برزنیف کو غصہ آگیا، یہ غصہ اس کی عمر اور صحت کا تقاضا بھی تھا، چنانچہ روسی ہوابازوں کے راکٹ ٹھیک نشانے پر لگے اور سردار داؤد اپنے خاندان سمیت ہلاک ہوگیا اور روس کے حامی فوجیوں نے ترکئی نامی ایک شخص کو صدر بنادیا اور اسکی حمایت کے لئے اپنی فوج بھیج دی، یہ فوج راستے کے دریاؤں کے ان پلوں کو عبور کرکے افغان بستیوں اور شہروں پر آگ برسا رہی تھی، جس کی تکمیل کو افغان حکمران اپنی ترقی اور خوشحالی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے، ہمیں یقین تھا کہ ہنگری اور چیکوسلاواکیہ کی طرح، ہم اگر چند گھنٹوں میں نہیں تو چند دنوں میں افغانستان کو ہڑپ کرلیں گے اور اس کے بعد ترکئی کو ہمیشہ کے لئے چھٹی دے دی جائیگی لیکن جب دن ہفتوں اور ہفتوں مہینوں میں تبدیل ہونے لگے تو کامریڈ برزنیف کی قوت برداشت جواب دے گئی اور روسی افواج اسے ختم کرکے حفیظ اللہ امین کو سیاسی سٹیج پر لے آئیں، لیکن وہ بھی افغان باغیوں کو جنہیں دنیا اب حریت پسند کہتی ہے مغلوب نہ کرسکا، وہ کافی ظالم تھا، لیکن اس کی حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان کی بہت سی سرکاری فوج ہمارے قیمتی اسلحہ سمیت باغیوں کے ساتھ مل گئی۔ کامریڈ برزنیف نے اس احمق کو ایک ہنگامی ضرورت پوری کرنے کے لئے صدر بنایا تھا لیکن ٹیکسٹ سے غلط فہمی ہوگئی کہ وہ حقیقی افغانستان کا صدر ہے، کامریڈ برزنیف کو پھر ایک بار غصہ آیا اور حفیظ اللہ امین کا نام و نشان مٹا دیا گیا اور ایک اور گمنام آدمی ببرک کارمل کو صدر بنا دیا گیا، اب یہ آئندہ حالات پر منحصر ہے کہ ببرک کارمل کا نام کب تک ریڈیو کابل پر سنا جائیگا تاہم نووارد کو جنہوں نے غور سے دیکھا ہے، یہ بتاتے ہیں کہ وہ اسلام اور افغانستان دونوں کا بدترین دشمن ہونے کے علاوہ انتہائی بزدل بھی ہے اور کامریڈ کو اس پر جلدی غصہ نہیں آئے گا۔

..... ایک ڈکٹیٹر کو غصہ ضرور آنا چاہیئے، مجھے بھی

غصہ آتا تھا، اگرچہ میں بوڑھا نہیں تھا، لیکن میرے غصے کی وجہ سے بڑے بڑے جرنیل اور فیلڈ مارشل جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، آج کل روس میں ڈکٹیٹروں کی ایک نئی کھیپ پیدا ہوئی ہے، انھیں ہمیشہ ایسے بے بس لوگوں پر غصہ آتا ہے جن کی شاہ رگ، ان کے ہاتھ میں ہو، تاکہ جب چاہیں ان کا گلا گھونٹ ڈالیں، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بریژنیف افغانستان میں اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے ان زرخرید ایجنٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے جو اپنی قوم سے غداری کر کے اپنی گردن میں روسیوں کی غلامی کا طوق پہن لیتے ہیں، انھیں صدر بنایا جاتا ہے لیکن ان کی حیثیت ادنیٰ گھریلو ملازموں کی بھی نہیں ہوتی۔

خروشیف :- یہ ہماری نئی حکمت عملی ہے، کامریڈ لینن سے سب ڈرتے تھے، یعنی وہ عظیم زار تھا اور ہم سب اس کی رعایا تھے۔ پھر کامریڈ اسٹالن کی باری آئی، اس نے اقتدار کی نچلی سیڑھی سے اپنے تمام طاقتور ساتھیوں کو گرا دیا اور خود کامریڈ لینن کی کرسی سنبھال لی۔ اس نے کوئی تیس سال تک دوسری صف کے لیڈروں اور روس کے عوام کو عذاب میں مبتلا رکھا۔ اس سے میں نے یہ سیکھا کہ ایک بڑے زار کے بجائے چند چھوٹے زاروں کی حکمرانی عوام کیلئے بہتر ہوگی، اس لئے میں نے بہت سے اختیارات تقسیم کر دئے میرے ساتھی بظاہر میری کارگزاری پر بہت خوش تھے، وہ مجھے مبارکباد دیا کرتے تھے کہ میں نے کامریڈ اسٹالن کا طلسم توڑ دیا ہے اور روسی ہمیشہ میرے وفادار رہیں گے، میں یہ بھول گیا تھا کہ سوویٹ نظام کا پہلا سبق یہ ہے کہ جو لوگ برسر اقتدار ہوں انھیں ایک دوسرے کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے یہی وجہ تھی کہ میں نے جیتے جی اپنی وہ تذلیل نہیں دیکھی جو کامریڈ اسٹالن نے موت کے بعد دیکھی تھی۔

ہٹلر :- سوویٹ نظام سے نازی ازم بہت بہتر تھا۔ بعض لوگ میرے مخالف ضرور تھے، جنگ میں جب نازی ناکامی کا سامنا کر رہے تھے، تو کئی جرنیلوں نے مجھ سے نجات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی، میں نے انھیں بجلی کے کھمبوں کے ساتھ پھانسیاں دیں، لیکن میرے دوستوں اور دشمنوں کے دل میں کبھی یہ خیال تک نہیں آیا ہوگا کہ وہ میری جگہ لے سکتے ہیں، جب برلن تباہ ہو چکا تھا اور مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا جس کے خلاف غداری اور بزدلی کا الزام عائد کر کے میں اسے پھانسی دے سکوں، تو میں نے خودکشی کر لی تھی۔

بجز :- آپ کی خودکشی کا حال ہم سن چکے ہیں، لیکن گفتگو کا موضوع افغانستان پر روس کا حملہ ہے، جسے دوسرا سال شروع ہو چکا ہے، برژنیف نے کمال ہوشیاری سے کئی ماہ تک خفیہ طور پر وہاں اسلحہ اور فوج بھیجی تھی، پھر کئی ماہ سے وہ کھل کر میدان میں آ چکا ہے، لیکن روس کو اس سے زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی کہ اس نے ہزاروں بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دئے، اور ہزاروں بے بس انسان اپنا گھر بار تباہ کروانے کے بعد پاکستان میں پناہ لے رہے ہیں، عالمی رائے عامہ روز بروز اس کے خلاف ہوتی جا رہی ہے، برطانیہ کی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر کا روس کے خلاف ردعمل یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہوا کا رخ کس طرف ہے

ماؤنٹ بیٹن :- مجھے جواہر لال نہرو کی بیٹی کے مستقبل کی فکر ہے، وہ تین سال جیلیں کاٹنے کے بعد پھر وزیر اعظم ہوئی ہے اور اس نے آتے ہی ایسے بیان دئے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پاؤں دو کشتیوں میں ہیں جو مخالف سمت کی طرف جا رہی ہیں، اگر امریکہ اور مغربی طاقتیں کھل کر سامنے آ گئیں، تو اس کے بیانات روس کے خلاف ہوں گے لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے اگر اس نے روس کے مفتوحہ علاقوں میں بندر بانٹ میں شریک ہونے کے متعلق روس کے وعدوں پر یقین کر لیا، اور کھل کر ان کی حمایت پر اتر آئی تو اولین شکست کے بعد اس کا سیاسی مستقبل تباہ ہو جائے گا روس کی کسی کامیابی کی صورت میں بھی میرا یہ تجربہ ہے کہ وہ

دوست کے بجائے دشمن کی حیثیت میں زیادہ خطرناک ہوتا ہے
بھر بھارت کے لئے یہی سزا کافی ہوگی کہ مسلم ممالک جو اسلام
آباد میں جمع تھے اس کا تجارتی بائیکاٹ کر دیں۔

مسولینی :- ہم دنیا کے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں
اور تم اندرا گاندھی کا تذکرہ لے بیٹھے ہو۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن :- اندرا گاندھی کا قصہ میں نے
اس لئے چھیڑا ہے کہ روس برسوں سے اسے اسلحہ بھیج
رہا ہے۔ وہاں روس کے ایجنٹوں کی بھی کمی نہیں ہوگی۔ اور
اگر اسے بروقت عقل نہ آئی تو اس کا حشر سوویت روس
سے مختلف نہ ہوگا۔ کاش میں چند گھنٹوں کے لئے اس دنیا
میں واپس جا کر اندرا کو یہ سمجھا سکتا کہ اب دنیا بہت بدل چکی
ہے۔ روس نے افغانستان کو بے یار و مددگار سمجھ کر حملہ کیا تھا اور
ایک سال سے وہاں پھنسا ہوا ہے۔ تم نے اگر اس جنگ میں
کودنے کی حماقت کی تو مشرقی پاکستان اور بنگلہ دیش متحد ہو کے
[illegible] کے دو [illegible] ہوں گے اب روس یہ دیکھے گا کہ افغانستان
اس کے لئے ویتنام بن چکا ہے تو اسے آمو دریا کے پار
واپس جانے میں دیر نہیں لگے گی۔ بہر دست اس سوال کا
جواب نہیں دیا جا سکتا کہ اقوام عالم کی تنظیمیں روس کے مقابلہ
پہ کہاں تک اس کا پیچھا کریں گی۔ لیکن ہندوستان کے
توسیع پسندانہ عزائم جو میری موت کے بعد زوال سے پیدا ہوئے تھے
ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گے۔

مسولینی :- مجھے یقین ہے کہ روس [illegible] دنیا میں
تقسیم ہو جائے گا۔

خروشچیف :- تم ہماری ایٹمی قوت کو نظر انداز کر رہے ہو۔

ہٹلر :- کاش برزنیف کو یہ عقل آ جائے اور میرا محکوم
ویرانہ اس تقسیم سے بچ جائے کہ [illegible] کی جنگ شروع ہے۔

اسٹالن :- برزنیف کے ذہن کا اس ویرانے کی آبادی
کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

ہٹلر :- وہ ایٹمی جنگ شروع کرنے کا حکم دے گا۔

لیکن اس کے حکم کی تعمیل سے پہلے دوسرے ممالک کے راکٹ ان کی
زمین پر داخل ہو چکے ہوں گے۔ اور امریکہ کا دفاعی قانون ایسا
ہے کہ روس کو پہل کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ دیکھو کہ امریکہ والوں کو
ہیں کہ انہوں نے پہلے ایٹم بم کی تیاری کا موقع نہیں دیا تھا۔
ورنہ اس تباہ کن قوت کی دریافت میں جرمن سائنس دان
اس سے آگے تھے۔

خروشچیف :- برزنیف اتنا بے وقوف نہیں کہ وہ ایٹمی
جنگ شروع کر دے۔

اسٹالن :- جس شخص نے افغانستان پر فوج کشی کر کے
روس کی فوجی قوت کا رعب ساری دنیا سے ختم کر دیا ہے اس
سے یہ حماقت ہو سکتی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ میں
ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ ہم دنیا کو یہ قوت بنانے کے لئے ان
کی [illegible] اور [illegible] اسلحہ کے انبار لگاتے
رہیں۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان [illegible]
کو [illegible] پروپیگنڈا کرنے کے لئے روس کی
[illegible]
ان کی کارگزاری کیا ہے؟

خروشچیف :- ان کی کارگزاری یہ ہے کہ وہ خاموش ہو گئے
ہیں۔ حالات نے ان پر واضح کر دیا ہے کہ آج سے چند سال پہلے
عظیم [illegible] کا خواب کتنا آسان تھا لیکن اب دنیا کی
ہوا اس قدر بدل گئی ہے کہ وہ خواب میں بھی کریملن کے [illegible]
کا نام نہیں لیتے۔ کامریڈ برزنیف کو اس بات پر بھی بہت
غصہ آتا ہوگا کہ روس کے [illegible] عالمی رائے عامہ
کو ہماری حمایت کے حق میں ہموار کرنے سے قاصر رہے ہیں اور
ایک عرصہ سے آسمان کا قصہ [illegible] سکتے ہیں۔

ہٹلر :- [illegible] ہے کہ وہ میری طرح خودکشی کر لے گا۔

خروشچیف :- وہ خودکشی نہیں کرے گا بلکہ وہ ایسے حالات
پیدا کر دے گا کہ دنیا [illegible] سے اور [illegible] سے
عظیم روس کا بھی نام و نشان مٹ جائے گا۔

سیکاماں :- تمہارا مطلب ہے کہ وہ ایٹمی جنگ شروع کر دے گا۔

خروشیف :- مجھے یقین ہے کہ جس صورت میں ہٹلر نے خودکشی کر لی تھی وہ برزنیف کو ایٹمی جنگ پر آمادہ کر دیگی

مسولینی :- تمہارا مطلب ہے کہ اس کی دماغی حالت بالکل خراب ہو گئی ہے۔

خروشیف :- افغانستان میں جنگ کی طوالت کے باعث وہ جس ناکامی اور رسوائی کا سامنا کر رہا ہے اس کے باعث اس کی دماغی حالت آئندہ تین چار ماہ میں بہت ہی خراب ہو جائے گی لیکن اس وقت مجھے شاید دنیا کے لوگ تصدیق کر سکیں کہ وہ اس قدر گھبرا تنگ آ کر بیچین ہو کر ایٹمی جنگ شروع کرنے کا سوچ رکھا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن :- میرا خیال ہے کہ وہ شفقت کے ہاتھ بھی جلد قابو ہو سکتا ہے۔ افغانستان میں ہلاک ہونے والے جن روسی افسروں سے میری ملاقات ہوئی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ سردار داؤد کو ختم کرنے کے بعد برزنیف نے اس یقین کے ساتھ ترکی کو مہرہ بنایا تھا کہ وہ اس کے عزائم سے باخبر ہونے کے بعد آس پاس کسی ملک کو احتجاج کی جرأت نہیں ہوگی۔ مغربی ممالک چند دن شور مچائیں گے اور اس کے بعد خاموش ہو جائیں گے۔ اور اس کے بعد جب ماسکو میں اولمپک گیمیں ہوں گی تو وہ دنیا کی سلامتی کے حق میں تقریریں کرنے کے علاوہ امن کی ان گنت فاختائیں اڑائیں گے۔

نپولین :- امن کی فاختہ؟ وہ کیا ہوتی ہے؟

ماؤنٹ بیٹن :- وہ ایک عام فاختہ ہوتی ہے جسے اڑا کر سامراجی قوتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ہم امن کی خواہش مند ہیں اور وہ ممالک جن پر حملے کی تیاریاں مکمل ہوتی ہیں ان کے سیاست دان اور عوام خوشی سے تالیاں بجاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اولمپک کھیلوں کے عالمی بائیکاٹ کے باوجود اندرا گاندھی ماسکو ضرور جائے گی اور اس کے سامان میں امن کی فاختاؤں کے کئی پنجرے بھی ہوں گے لیکن یہ ساری کارگزاری بے فائدہ ہو گی۔

اسٹالن :- تم اندرا گاندھی کے متعلق اس قدر پریشان کیوں ہو؟

ماؤنٹ بیٹن :- میں ہندوستان کا آخری وائسرائے تھا، اور مجھے اندرا کے خاندان کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے۔ میں نے نہرو کی خوشنودی کے لیے پاکستان کو وہ گہرے زخم لگائے تھے جن کے نشان ابھی تک موجود ہیں اس لئے میرے دل میں اندرا کے لئے ہمدردی کے جذبات ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ لیکن جب میں اس بات پر اس کی چیخ پکار سنتا ہوں کہ روسی جارحیت کا راستہ روکنے والے ممالک پاکستان کو اسلحہ دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنا دفاع کر سکیں، تو مجھے شرم آتی ہے۔ حال ہی میں میں پنڈت نہرو سے ملا تھا، وہ بھی اس موضوع پر میری گفتگو سے بہت پریشان تھا کہ اندرا روس کے توسیعی پروگرام میں حصہ دار بن کر بھارت کے لیے تباہی کا سامان پیدا کر رہی ہے لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ تم میری اندو کو نہیں جانتے وہ صرف دنیا کی دو بڑی طاقتوں یعنی روس اور امریکہ کو اہمیت دیتی ہے اور ہمیشہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھتی ہے۔ جب اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ فلاں طاقت ڈوب رہی ہے تو وہ اطمینان سے اس کی کشتی سے پاؤں نکال لے گی لیکن اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ چین بھی ایک عظیم طاقت بن چکا ہے۔ کاش اس کی تین ٹانگیں ہوتیں اور چین کی کشتی میں بھی پاؤں رکھ سکتی۔ میں نے ہندی دیوتاؤں اور دیویوں کے مجسمے اور تصویریں دیکھی ہیں، ان کے ہاتھ تو چار یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن مجھے دو سے زیادہ کسی دیوی یا دیوتا کی ٹانگیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

بکرز :- ہندوستان میں میں بھی رہا ہوں لیکن ماؤنٹ بیٹن کی طرح ہندوؤں کی دیومالا سے کبھی متاثر نہیں ہوا۔

ماؤنٹ بیٹن :- میں نے جو بردباری مسلمانوں سے کی تھی اس کے بعد ہندو مجھے ایک دیوتا سمجھنے لگے تھے۔

کیچنر :- مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کے علاوہ وہ تمہاری شکل و صورت سے بھی متاثر ہوئے ہوں گے لیکن میں نے انتہائی خوفناک شکلوں کے دیوتاؤں کی تصویریں دیکھی ہیں جن کی ہندوستان میں پوجا کی جاتی ہے۔

نپولین :- میں پوچھتا ہوں کہ تم مجھے ایسی نامعقول محفل میں بلانے پر کیوں مصر تھے؟

مسولینی :- اگر ہم آپ کی قیام گاہ تک رسائی حاصل کر سکتے تو ہمیں خوشی بھی ہوتی اور آپ کو ہوا کی تبدیلی سے کچھ آرام بھی ملتا لیکن ہمیں اس جگہ جمع ہونے کے بعد بڑی مشکل سے اس بات کی اجازت ملی تھی کہ ہم لارڈ کیچنر کی معرفت آپ کو اس مجلس کی صدارت کی دعوت دے سکتے ہیں۔

کیچنر :- آپ کو تکلیف دینے سے پہلے ہم نے چنگیز خاں کو صدارت کے لئے رضامند کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ تم اس قدر چھوٹے ہو کہ میں تمہاری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتا، میں نے اسے کہا تھا کہ قتل و غارت اور انسانیت کی تباہی میں سٹالن اور ہٹلر دونوں تم سے برابری کا دعویٰ کر سکتے ہیں، لیکن چنگیز خاں غصے میں آگیا۔

نپولین :- اور اس کے بعد آپ کی نگاہِ التفات مجھ پر جا پڑی؟

سٹالن :- یہ میرا انتخاب تھا کیونکہ گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ میں ہمارے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر بھی ضروری تھا۔

نپولین :- تم میری توہین کرنا چاہتے تھے، اگر مجھے میرے دل میں روس کی تازہ پریشانیوں کے متعلق کچھ جاننے کی خواہش پیدا ہوتی تو میں اتنی دیر کے لئے اپنی قیام گاہ کا آرام چھوڑ کر یہاں نہ آتا۔

مسولینی :- جناب! ہم نے آپ کی توہین نہیں کی بلکہ یورپ کا ایک بڑا فاتح سمجھ کر آپ کی عزت افزائی کی ہے

آپ کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ آپ اپنے وقت سے بہت آگے دیکھتے ہیں اور ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ کبھی کبھی ہمیں دنیا میں رونما ہونے والے متوقع حالات کے متعلق بتاتے رہیں گے۔ کامریڈ اسٹالن اور ہر ہٹلر دونوں آپ کی زبان سے یہ سننے کے لئے بے قرار تھے کہ بریزنیف کی تازہ کارروائی کا انجام کیسا ہوگا۔

نپولین :- اگر تمہاری طرح ہٹلر اور سٹالن نے بھی یہ سمجھ لیا کہ میں ان میں سے ایک ہوں، یا وہ میرے برابر بیٹھ سکتے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ وہ آدمی جسے جنگ میں اس کا ساتھ دینے والوں نے فتح سے مایوسی کی حالت میں خودکشی کر لی تھی، اور انسانیت کا وہ قاتل جس کے ساتھی اسے اب تک ذلیل کر رہے ہیں میری برابری کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے، میں نے اپنی فتوحات کے بعد کسی بے گناہ کو قتل نہیں کیا تھا، میں نے اپنی مفتوحہ ممالک کے شہروں اور بستیوں کو تباہ نہیں کیا تھا، میں نے اپنی شکست کے آخری لمحات کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا اور اپنی قوم کو بچانے کے لئے ایک جزیرے میں عمر بھر کی نظر بندی قبول کر لی تھی، اس بے بسی کی حالت میں بھی میرے چند جرنیلوں نے رضاکارانہ طور پر میرا ساتھ دیا تھا۔ موت کے بعد بھی میرے جاں نثار اس وقت تک میری قبر کی حفاظت کرتے رہے جب تک کہ فرانس کی حکومت نے میری میت واپس لانے کا فیصلہ نہیں کر لیا تھا، اور جب ایک بحری بیڑہ میرے تابوت کے ساتھ فرانس کے ساحل پر لنگر انداز ہوا تو ہزاروں انسان استقبال کے لئے موجود تھے، پھر پیرس تک راستے کے دونوں کناروں پر انسانوں کے ہجوم اس طرح کھڑے تھے جیسے وہ مردہ انسان کی ہڈیوں کے بجائے ایک عظیم فاتح کا استقبال کر رہے ہیں، پیرس کی سڑکوں اور بازاروں میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، اب بھی میرے مزار پر ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور اس دنیا میں بھی میری

قیام گاہ اس مقام سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

ماؤنٹ بیٹن :- کارلائل نے سچ کہا تھا

نپولین :- کارلائل نے میرے متعلق کچھ کہا تھا ؟

ماؤنٹ بیٹن :- جناب ، آپ کے متعلق تو ہمارا ایک انگریز مؤرخ ایبٹ بہت کچھ لکھ چکا ہے ، لیکن آپ پر کارلائل کی یہ بات صادق آتی ہے کہ تم بعض لوگوں کو کچھ وقت بے وقوف بنا سکتے ہو ، بعض کو ہمیشہ کے لئے بیوقوف بنا سکتے ہو لیکن تمام لوگوں کو ہمیشہ کے لئے بیوقوف نہیں بنا سکتے ، مجھے اب یہ اندیشہ ہے کہ اگر اندرا گاندھی خواہ مخواہ کسی جنگ کی لپیٹ میں آگئی ، تو بھارت میں میری برسی بھی نہیں منائی جائے گی ، لوگ تباہی کا ذمہ دار مجھے ٹھہرائیں گے کیونکہ نہرو کے لئے چھوٹی چھوٹی فتوحات کے راستے میں نے کھولے تھے ، اور اندرا اپنے باپ سے بڑا بننا چاہتی ہے ۔ برزنیف کے ساتھی کی حیثیت سے اس کا ہر قدم تباہی کی طرف اٹھے گا اور وہ کسی ایسے طاقت ور ساتھی کی رفاقت سے باز نہیں رہ سکتی جو اسے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے بعد اسے تھوڑا بہت حصہ دینے پر رضامند ہو ، اور بدقسمتی سے روس ایک ایسا ملک ہے جس کی توسیع پسندی کے خلاف ساری دنیا مشتعل ہو چکی ہے ۔

مسولینی :- تمہارا مطلب یہ ہے اب تمہیں دو یا تین کشتیوں میں پاؤں رکھنے کی پالیسی سے اندرا کی بہتری کی کوئی امید نظر نہیں آتی ۔

لینن :- مجھے جس قدر روس کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے ، اسی قدر میں ، اندرا کے مستقبل سے خوف کھاتا ہوں

نپولین :- اگر برزنیف نے تمام ہندوستانی سیاست دانوں کے دماغ ماؤف کر دیے ہیں ، تو یہاں تمہارے خوف کھانے یا نہ کھانے سے کچھ نہیں ہوتا ، لیکن جو سمجھ دار لوگ میری جائے قیام کے آس پاس پہنچے ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ جب خطرات پوری طرح سامنے آ جائیں گے ، تو انہیں ہندوستان کی قیادت تبدیل کرنے میں دیر نہیں لگے گی ۔ اگر وہ قیادت تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے ، تو بات یقینی ہے کہ ہندوستان تین حصوں میں تقسیم ہو جائے گا ،

مسولینی :- برزنیف کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں

نپولین :- اگر وہ ڈیڑھ سال سے افغانستان میں پھنسا ہوا ہے ، تو اس کا انجام ہٹلر یا تم سے مختلف نہیں ہوگا ، تم لوگوں کا المیہ یہ ہے کہ تم اپنے وقت سے بہت بعد میں پیدا ہوئے ہو ، ہٹلر اور اسٹالن کو سو سال پہلے پیدا ہونا چاہئے تھا ، بلکہ اور ماؤنٹ بیٹن کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی فتوحات کے زمانے میں ہونا چاہئے تھا ، اس زمانے میں ماؤنٹ بیٹن کی ڈپلومیسی شاید کامیاب نہ ہوتی ، لیکن وہ قوم کو معمولی نقصان کے عوض انگریز قوم کو ۱۹۴۷ء میں ان لاکھوں مسلمانوں کے قتل عام سے بچا لیتا ، جن کے بھائیوں اور بیٹوں نے برما اور افریقہ کے محاذوں پر انگریزوں کے دوش بدوش جنگیں لڑی تھیں

ہٹلر :- افغانستان میں برزنیف کی مہم اس قدر اہم نہ تھی کہ آپ لوگ مجھے یہاں آنے کی تکلیف دیتے ، اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ روسی سرحدوں سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتے ، روسی کسی جگہ بھی خوشی سے مرنا پسند نہیں کرتے ، جب میں نے ماسکو کی طرف پیشقدمی کی تھی اور اسے فتح کرنا میری عظیم فوج کے لئے چند گھنٹوں کی بات تھی ، تو روسی ، ماسکو میں اپنے گھر اور رسد کے ذخائر جلا کر بھاگ گئے تھے ، مجھے روس کی سردی نے پسپائی پر مجبور کیا تھا ، یہاں اگر برزنیف کے خلاف دنیا کے غم و غصے کا جو حال تم لوگوں سے معلوم ہوا ہے ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنقریب کئی محاذوں پر لڑنا پڑے گا ، اس کے ساتھ ہی دنیا کو ایٹمی جنگ کا خطرہ درپیش ہے ، میں جب اسکی تباہ کاریوں کے متعلق سنتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مغرب کا انسان جس قدر تباہ کن ایجادات میں

ترقی کر رہا ہے، اسی رفتار سے وہ ذہنی افلاس کے مرض میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے، انسانیت کی ارتقائی منازل میں الٹے پاؤں اس کی دوڑ اس قدر تیز ہے کہ بعض ممالک کے سیاست داں پتھر کے زمانے میں داخل ہو چکے ہیں، برزنیف کے متعلق مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ پتھر کے زمانے میں بھی کسی بدترین دور کے حکمراں کی نمائندگی کر رہا ہے جب وہ یہاں آئے تو میری خواہش ہوگی کہ تمھاری موجودگی میں اس سے گفتگو کی جائے۔

کچز: - جناب میں آپ کو اطلاع بھیجنے اور جلسے کا انتظام کرنے کا ذمہ لیتا ہوں، لیکن کاش اس کی دماغی حالت اس قابل ہو کہ وہ آپ کے سوالات کا جواب دے سکے، لیکن آپ نے سب کا ذکر کیا ہے، اپنی ناکامیوں کے متعلق کچھ نہیں فرمایا!

نپولین: - میرا المیہ یہ تھا کہ میں اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہوا تھا، میں نے دو صدیاں قبل وہ خطرات دیکھ لئے تھے، جو امریکہ جیسا ترقی یافتہ ملک آج دیکھ رہا ہے مجھے یقین تھا کہ کسی دن روس کے توسیعی عزائم بیدار ہوں گے اور مہذب دنیا پر وحشت اور بربریت کا سیلاب امڈ آئیگا اس لئے میں نے یورپ کو ایک ریاستہائے متحدہ بنانے کی کوشش کی تھی اور روس پر حملہ کر دیا تھا، مجھے روس کے کسی جرنیل کی بہادری سے نہیں، بلکہ ان لوگوں کی بزدلی سے اپنے مقاصد میں کامیابی نہ ہو سکی جو ماسکو کو آگ لگا کر بھاگ گئے تھے اور میرے عظیم لشکر کو واپسی پر راستے کی تباہ کن سردی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

ہٹلر: - روس پر میں نے بھی حملہ کیا تھا۔

نپولین: - تم کوئی جرنیل نہیں تھے اور نہ کسی اچھے جرنیل کو اس بات کی اجازت دیتے تھے کہ وہ تمہیں کوئی عقل کی بات سمجھا سکے، تم زیادہ سے زیادہ اپنی قوم میں ایک وقت کے لئے اندھا جوش پیدا کر سکتے تھے۔

مسولینی: - ایک ڈکٹیٹر کے دل میں اندھا جوش پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ لیکن ہم آپ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ برزنیف کے متعلق آپ کی ذاتی رائے کیا ہے

نپولین: - میں تم لوگوں کی اس بات سے متفق نہیں ہوں کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ اندھے جوش کی وجہ سے ہے یا بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے اسے بہت غصہ آتا ہے، میرے خیال میں وہ ان قاتلوں میں سے ہے جن کا خون کبھی گرم نہیں ہوتا، جو انسانوں کی لاشوں کے اوپر سے مسکراتے ہوئے گزر جاتے ہیں، اس کے حواس اس وقت خراب ہوں گے جب اسے چاروں اطراف اپنی موت نظر آئیگی، پھر اندھے جوش میں اس کا طرز عمل یہ ہوگا کہ اگر میں نہیں رہتا تو اس دنیا میں کسی کو نہیں رہنا چاہئے، پھر دنیا کے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہوگی کہ اس کے ہاتھ ان خوفناک مشینوں کے بٹن دبانے کے لئے نہ اٹھ سکیں جو تم نے تباہی اور صرف تباہی کے لئے ایجاد کی ہیں۔

سوشلزم کی آمد پر تباہی

روس میں سوشلزم کو لانے کیلئے جو قتل و غارت گری ہوئی اس کے سرکاری اعداد و شمار یہ ہیں:

سوشلزم لانے کیلئے دی گئی انسانی جان کی قربانی

۱- پادری ایک ہزار پانچ سو اکیانوے
۲- جج مجسٹریٹ، وکلاء ۴۳ ہزار ۵ سو ۸۵
۳- فوجی افسر ۵۶ ہزار تین سو چالیس
۴- مزدور ایک لاکھ چھیانوے ہزار
۵- سپاہی تین لاکھ ۶۸ ہزار
۶- سرمایہ دار اور دکاندار ۶۵ ہزار ۸ سو ۹۰
۷- کسان ۸ لاکھ ۹۰ ہزار

حفیظ رحمانی

آئیے ہو جائیں حق کے نام پر ہم متحد

ہم ترے بندے ہیں مولیٰ! تجھ سے ڈرنا ہے ہمیں
یا الٰہی! ہم ہیں توحید و رسالت کے مُقِر
شکرِ رب، ہے دین سے ہم کو محبت بے پناہ
نبی رحمت سے، صحابہؓ سے عقیدت ہے ہمیں
آخرت کی کامرانی ہر نفس مطلوب ہے
یا خدا، قائم رہے دیں، قائم ہوں قرآنی اصول
اہلِ ایماں کی دل آزاری سے تو ہم کو بچا
بعض اگر گمراہ کہتے ہیں ہمیں، ہاں غم نہیں
نیک توفیق ان رقیبوں کو الٰہی! دیجیے

کارساز اپنا ہے تو، کچھ عرض کرنا ہے ہمیں
نفسِ ایماں کے مُقِر، ختمِ نبوت معتقد
جذبۂ تبلیغِ حق، شوقِ شہادت بے پناہ
سارے ہی اللہ والوں سے محبت ہے ہمیں
ہم محب تیرے، ہمیں تیری رضا محبوب ہے
مدعا اپنا کہ ہو محفوظ، ناموسِ رسولؐ
آخرت کی ذلت و خواری سے تو ہم کو بچا
تو جو کہہ دے بندۂ مومن تو پھر کچھ غم نہیں
مغفرت کیجے، ہدایت سے مشرف کیجیے

کچھ حریفوں سے بھی اپنے عرض کرنا ہے ہمیں
ماشاء اللہ! آپ اہلِ حق کے ہم آواز ہیں
حامیانِ حق پہ گمراہی کے فتوے؟ الحذر
آپ کے دعووں کے برعکس، ہم ہوں محبوبِ خدا
افترا کا عرض ہے اے پاسبانانِ حرم
آپ نے بخشا نہیں، یہ آپ کب سمجھے گئے
چھوڑیے جھگڑوں کو، کیجیے اہلِ حق کا اعلان
اختلافات اصلاً ہیں سہ کر تھے آپس میں رحیم
دشمنوں کی چال ہے، ملت ہو نہ انتشار
آپ نے تاریخ میں دیکھا ہے حشرِ افتراق
الغرض ہوں دینِ حق کے نام پر ہم متحد

ان کی لاعلمی پہ آہِ سرد بھرنا ہے ہمیں
وہ مسلماں ساز تھے اور آپ کافر ساز ہیں
دیندار دل پہ بے دینی کے طعنے الحذر
سوچیے کیا حشر ہیں، کیا حشر ہوگا آپ کا
دین و ایماں پر مسلمانوں کے فرمائیں کرم!
آپ کب الزامِ کفر و زندقہ سے بچ سکے
کب نہ تھے اپنی ملت کے فروعی اختلاف
کیجیے پیدا وہی جذبِ دروں، قلبِ سلیم
آپ للہ دامنِ ملت نہ کیجیے تار تار!
دیجیے ملت کو درسِ اتحاد و اتفاق
آئیے ہو جائیں حق کے نام پر ہم متحد

ہے حفیظِ بے نوا کے قلبِ مضطر کی صدا
کارگر ثابت ہو یہ کوشش، بہ افضالِ خدا

سر جارج گاڈبر، سابق چیف میڈیکل آفیسر
برطانیہ

سگریٹ نوشی
میں
شعبۂ صحت و تعلیم کا کردار

عالمی ادارۂ صحت نے ۱۹۸۰ء کے عالمی یوم صحت کو سگریٹ نوشی کے خلاف مہم کے لیے وقف کیا ہے۔ سگریٹ نوشی دنیا کے ہر ملک میں بکثرت رائج ہے اور ہر جگہ یہ مختلف امراض اور موت کا واحد اور سب سے بڑا سبب ہے، جس سے بچنا ممکن ہے۔ ابتداً اس کے بد اثرات کا برسوں تک کوئی پتہ نہ چل سکا۔ پھر بتدریج معالج پہلے اس کے خطرے سے آگاہ ہوئے اور بعد میں عام لوگ۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں اس عادت کے جڑ پکڑ لینے سے پہلے اس کے خطرات کا علم نہ تھا۔ چنانچہ صحت اور تعلیم کے شعبے، ہم دوسرے معاشرے کی پیروی کرتے رہے اور انھوں نے اس کی روک تھام کی۔ تیس برس پہلے کی بات ہے کہ برطانیہ، امریکا اور کینیڈا کے ڈاکٹروں میں سے دو تہائی ڈاکٹر خود سگریٹ نوشی کرتے تھے، دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی معاشرے کی ... پیتے رہے، جب تک کوئی خاص بات علم میں آ... اس وقت ... نہیں بدلتی۔

آج سے تیس برس پہلے، ایک نئی بات سامنے آئی۔ طبی تحقیقات نے شہادت فراہم کی کہ کئی صنعتی ممالک میں سگریٹ نوشی پھیپھڑے کے سرطان کا سبب ہے۔ چنانچہ ڈاکٹروں کو یہ بات تسلیم کرنی پڑی۔ اس سے دوسرے تحقیق کاروں کو تحریک ہوئی اور انھوں نے معلوم کیا کہ پرانی کھانسی، ہوائی نالیوں کا ورم (برونکائٹس)، نفاخ الریہ (امفیسیما) اور اکلیلی شریانوں (کارونری) کے مرض سے قبل از وقت موت کا سبب بھی سگریٹ نوشی ہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے ڈاکٹروں نے اپنے طور پر بھی تحقیق کی اور یہ بات ثابت ہو گئی، لہٰذا بغیر کسی مہم یا تحریک کے ان میں سے دو تہائی ڈاکٹروں نے خود بخود سگریٹ نوشی کو خیرباد کہا۔

اعداد و شمار کے ثبوت کے بغیر بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سگریٹ نہ پینے والے کے مقابلے میں سگریٹ پینے والے کا ... برس کی عمر سے پہلے مرنے کا امکان دگنا ... ہے۔ ... نوشی ۲۵ کی عمر ہی میں ایک ...

چھ برس کم کر لیتا ہے۔ طبعی اموات کے علاوہ زائد اموات کے بڑے بڑے اسباب میں پھیپھڑے کا سرطان، ہوائی نالیوں کا ورم اور قبل از وقت اکلیلی شریانوں کے امراض شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں۔ سگریٹ پینے والی خواتین حاملہ ہوتی ہیں تو اس بات کا خطرہ بڑھ جاتا ہے کہ حمل میں یا بچے کی پیدائش کے ابتدائی ایام میں وہ اپنے بچے سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ ان تمام خطرات سے بچنا ممکن ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سگریٹ نوشی نہ کی جائے۔ جو لوگ پرانے عادی ہیں اگر وہ اسے چھوڑ دیں تو پندرہ برس کے عرصے میں خطرات بتدریج کم ہوتے ہوتے اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔

سگریٹ نوشی کئی شکلوں میں گھریلو وبا کی حیثیت رکھتی ہے۔ سگریٹ پینے والا فرد گھر بھر کے سامنے غلط نمونہ پیش کرتا ہے۔ عام معاشرتی حالات اور کام کاج میں بھی سگریٹ نوشی دوسروں کے لئے باعث خطرہ ہوتا ہے کیونکہ ایک تو وہ سگریٹ نوشی کی مثال پیش کرتا ہے، دوسرے اس کی سگریٹوں کے دھوئیں کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی اس عادت سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

چنانچہ یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ جس معاشرے میں سگریٹ نوشی نہیں ہوگی، وہ سگریٹ پینے والے کسی صنعتی معاشرے کے مقابلے میں زیادہ صحت مند ہوگا۔ برطانیہ کے ڈاکٹروں کی مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ سگریٹ نوشی ترک کرنے کے فوائد سے آگاہ ہیں، وہ ان سے مستفید بھی ہو سکتے ہیں۔ اس مثال سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اقلیت جس کی تعداد پانچویں حصے سے کم ہو، یا تو اس قابل نہیں ہوتی کہ اپنی عادت پر قابو پا لے یا اسے ہر زمانے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔

صحت مند معاشرے کا تقاضا یہ ہے۔ ظاہر ہے کہ معاشرے کا تقاضا صرف یہ ہے کہ سگریٹ نوشی کو اس حد تک کم کر دیا جائے کہ صرف چند سگریٹ نوشوں کی ایک مختصر جماعت رہ جائے جو پرائیویٹ طور پر اپنا یہ شغل جاری رکھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل افراد یا ادارے مدد دے سکتے ہیں: — شعبۂ صحت اور صحت کا شعبہ، تعلیم کا شعبہ اور قانون سازی کا شعبہ جو تمباکو کی پیداوار اور رفاہ عامہ کے مقامات پر سگریٹ نوشی پر پابندی عائد کرنے کا مجاز ہے۔ اس مقالے کا تعلق پہلے اور دوسرے ذرائع سے ہے۔ انہیں امید ہے کہ قانون سازی کا شعبہ تمباکو نوشی کو ممنوع قرار دینے کی حماقت نہیں کرے گا۔

معالجوں کو ترک سگریٹ نوشی کے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے محکمۂ صحت اور تعلیم کی روش بدل رہی ہے۔ جو لوگ اچھی تعلیم سے آراستہ ہیں یا جن کی مالی حالت اچھی ہے وہ معالجین کی طرح سگریٹ نوشی ترک کرتے جا رہے ہیں، اگرچہ ان میں یہ عمل پوری طرح نہیں ہوا ہے۔ برطانیہ میں ایک حالیہ جائزے سے معلوم ہوا ہے کہ معالجین کا پانچواں حصہ، اساتذہ اور دائیوں کا ایک تہائی اور نرسوں کی نصف تعداد ابھی تک سگریٹ نوشی کرتی ہے۔ بحیثیت مجموعی برطانیہ کے ۵۰ فی صد مرد اور ان سے قدرے کم خواتین سگریٹ نوشی کرتی ہیں۔ زیادہ تنخواہ پانے والوں کے مقابلے میں کم تنخواہ پانے والوں کے نصف حصے میں یہ میلان زیادہ ہے۔ کینیڈا میں کوئی دس فیصد پادری سگریٹ پیتے ہیں۔

چنانچہ صورت حال یہ ہے کہ صحت اور تعلیم کا شعبہ تو محدود اچھے نتائج پیش کر سکا ہے اور کم تنخواہ پانے والوں اور کمزور صحت والوں میں سگریٹ نوشی کو کم کرنے میں کامیاب ہوا ہے کیونکہ شرح اموات اور عامی صحتی معیار اب بھی دنیا کی سب سے اچھا ہے جیسا کہ سگریٹ نوشی کے عام ہونے سے قبل تھا۔ یہ بات تشویش ناک ہے کہ نرسیں دوسروں کے برابر سگریٹ

میں ملوث ہیں، کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عوام الناس میں نمایاں کرتی ہیں یا معالجوں کے تعاون نہ دینے کے علاوہ وہ عمل کے طور پر ایسا کرتی ہیں؟ یہ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ نرسوں کی تمام تر تعلیم صحت کے دوسرے ملازموں کی ایک تہائی تعداد ابھی سگریٹ نوشی میں مبتلا ہے ۔

جہاں تک علم طب کا تعلق ہے اس کے پاس ایسے ذرائع موجود نہیں کہ جو دوستی یا عادت کو بدل سکیں، نہ کوئی ایسی دوا موجود ہے جو ترک سگریٹ نوشی کی طرف راغب کر سکے ۔ لہٰذا معالج صحت کے پاس صرف ایک چارہ رہ جاتا ہے اور وہ ہے سگریٹ چھوڑنے کی ترغیب ۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جب کسی بیماری کا سگریٹ نوشی سے تعلق ہو تو اس قسم کی ترغیب زیادہ موثر ثابت ہوتی ہے، لیکن ایسے مواقع شاذ و نادر ہی دیکھے جاتے ہیں ۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ معالج پوری ذمہ داری قبول کرنا پسند نہیں کرتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ایک بار خطرے سے آگاہ کر دینا ہی کافی ہے، لیکن طبی ذمہ داری وہاں پر ختم نہیں ہو جاتی خصوصاً خاندانی معالجوں کی ذمہ داری، معالج کا فرض ہے کہ وہ صحت کے فروغ کے لئے کام کرے، ایسے مواقع ہوں میں سگریٹ نوشی چھوڑنے کی ترغیب موثر ہو سکتی ہے اگر اسے اتنا ہی ہلایا جائے، جتنا کہ پیش ہو کر بعد مرض کے پھیپھڑے کے سرطان کی تشخیص نہ کر سکنا ۔ ۔ ۔

صحت کی سہولتوں میں سگریٹ نوشی کے بارے میں ایک واضح اور معقول پالیسی وضع کی جاتی ہے، لیکن یہ پالیسی ظالمانہ نہیں ہونی چاہئے، یہ محض ایک طبی ذمہ داری نہیں بلکہ طب اور معالجوں کے اثر و رسوخ کے استعمال کی بات ہے، نہ تو کھلم کھلا ممانعت اچھی ہے اور نہ سگریٹ پینے کی کھلی چھٹی، ضرورت اس بات کی ہے کہ دوسرے مریضوں کو اس کے نقصانات سے بچایا جائے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عملے اور ملاقاتیوں کو سگریٹ نوشی نہیں کرنی چاہئے ۔

یہ مخالفت سختی سے کرنی چاہئے اور اس میں ان مریضوں کا ضرور خیال رکھا جائے جو اپنی عادت سے مجبور ہیں انھیں علیحدہ جگہ پر سگریٹ نوشی کی اجازت دی جائے ۔ سگریٹ نوشی کم کرنے میں معالجین نے جتنا حصہ خود حاصل کیا ہے، اتنا ہی حصہ نرسوں کے لئے بھی حاصل کرنا ضروری ہے ۔ جب تک نرسوں میں سگریٹ نوشی کم نہیں ہوتی، اس وقت تک شعبۂ طب کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنا فرض ادا نہیں کیا ۔

تعلیم صحت کو جب تعلیم کا حصہ تسلیم کیا جا رہا ہے، شعبۂ صحت کی مدد سے اسے ترقی دی جانی چاہئے ۔ اسے اسکولوں کی عام تعلیم میں شامل کرنا ضروری ہے ۔ اس لحاظ سے اساتذہ کا کردار اہمیت کا حامل ہوگا کیونکہ وہی تعلیم کے ذریعے سے آئندہ نسلوں کو سگریٹ نوشی سے دور رکھ سکتے ہیں ۔ بچے اور لڑکے لڑکیاں چاہتے ہیں کہ وہ صحت مند رہیں، لہٰذا ان کی عام تعلیم میں صحت کی باتیں شامل ہونی چاہئیں ۔ نوجوان نسل اپنے والدین اور اساتذہ کی روش کے خلاف پروپیگنڈہ کو بہت ہی کم قبول کرتی ہے، اگرچہ بچوں کیلئے ان کے والدین نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اساتذہ کی اہمیت بھی اتنی ہی ہے جو خود بچوں کے لئے نمونہ بھی پیش کرتے ہیں اور والدین کے معاون بھی ثابت ہو سکتے ہیں، وہ اساتذہ ہی ہوں گے جو ایسی ترغیب دے سکتے ہیں کہ جو کوئی دوسرا نہیں دے سکتا، یہاں تک کہ ایسے بچے سگریٹ پینے والے والدین پر بھی قوی اثر ڈال سکتے ہیں ۔

عالمی ادارۂ صحت کی وہ کمیٹی جو سگریٹ نوشی پر قابو پانے کے لئے قائم کی گئی ہے، اس بات پر زور دیتی ہے کہ قومی پیمانے پر ترک سگریٹ نوشی میں اساتذہ اور مذہبی پیشوا کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ۔

ہماری کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم

(باقی صــ پر)

از طارق احسن فلاحی

سکون کہاں ہے؟

رات کے ایک بجنے والے ہیں، میں سونے کی ناکام کوشش کر رہا ہوں، لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور ہو گئی ہے، کل کے گذرے ہوئے واقعات کا منظر رہ رہ کر میرے پردۂ ذہن پر ابھر رہا ہے، ڈاکٹر اسرار، یہ جذبۂ عبید اور کامریڈ فاروقی کی، دلنشین خیالوں کی بازگشت میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا رہی ہے۔

امریکہ — جہاں دولت کی ریل پیل ہے، جہاں سامان تعیشات کی بہتات ہے — کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں امریکہ کا شہری بننے کا شرف حاصل ہے، جو عیش و نشاط اور فرحت و انبساط کی جنت ارضی میں لیل و نہار کے مزے لوٹ رہے ہیں — لیکن — اف یہ عزت — کتنا بھٹک رہا ہے یہ ذہن انسانی کے لئے؟ — کیسی کہانی کا مظہر ہے مسائل حیات کی؟ دنیا کے جس خطہ پر بھی اس کا سایہ پڑا، وہ خلفشار، بحران و انتشار کا شکار ہو گیا — وہاں کے لوگ مضطرب و بے چین ہو گئے — انسانیت امن و سکون کے لئے ترس ترس گئی — ڈاکٹر اسرار کے رشک و ملال کے ملے جلے جذبات مجھے لب کشائی پہ مجبور کر رہے ہیں، میں رات کی تنہائی میں ڈاکٹر اسرار کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے جذبات کے سیل رواں میں اس طرح بہا جا رہا ہوں، گویا کہ وہ میرے سامنے ہیں، اور ہماری باتوں کو غور سے سن رہے ہیں،

ڈاکٹر اسرار! معاف کیجیے آپ ابھی تک یقین نہیں ہوا کہ ہر چیز کے دو پہلو ہوا کرتے ہیں، ایک باطنی، دوسرا ظاہری کیا تم نے گلشن کے پھولوں کا مشاہدہ نہیں کیا، ظاہری شکل کتنی سہانی اور دلربا ہوتی ہے دل کو؟ لیکن تم کیا جانو کہ وہ بو سے کلی کے جوہر سے بالکل محروم ہے، اس دوشیزہ کی طرح جو حسن و جمال کی پیکر ہو، مگر وہ اپنا جوہر نسوانیت کھو چکی ہو، اس کا وجود کوڑی کا ہو، اور اس میں ہمیشہ کا آشیانہ بن چکا ہو۔

تم امریکہ کی صرف ظاہری چمک دمک پر فریفتہ ہو لیے کاش کہ تمہاری نگاہیں اس کے اندرونی پہلو کا بھی نظارہ کرتیں، ڈاکٹر اسرار! میں تم سے کوئی طویل گفتگو نہیں کرنا چاہتا، میں اشارہ و کنایہ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں امریکہ؟ — ہاں امریکہ؟ — جس قدر اضطراب و بے چینی کی شکار ہے انسانیت، اس بدنصیب ملک میں — کس طرح عائلی زندگی درہم برہم ہو رہی ہے اس تہذیب و تمدن کے گہوارہ میں، خاندانی شیرازہ کتنا تیزی سے بکھرتا جا رہا ہے — اس ترقی یافتہ سوسائٹی میں — انسانیت کا جوہر، شرافت و پاکیزگی، عفت و عصمت اور عزت و آبرو! — اف یہ انمول چیزیں کیسی سستی ہو رہی

سرمایہ اور غلام بن کر رہ گئی ہیں۔ اس روشن خیالی کے ماحول میں ۔۔۔ امید کو دفن کیا گیا ہے، اس خطے پہ جہاں انسانیت کا کوئی سرمایہ کہاں جا سکے ۔۔۔ ہر طرف یاس و قنوط ۔۔۔ ہر طرف اضطراب دیکھے گئی ۔۔۔ ہر جانب الجھن و پریشانی ۔۔۔ ہر سو مایوسیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکیاں ۔۔۔ کوئی روزن نہیں جہاں سے امید کی کوئی کرن جلوہ گر ہو اور دل کی تاریک دنیا کو اجالا بخش دے ۔۔۔ درد و کرب سے کراہتی ہوئی انسانیت نے اپنے سکون کیلئے شراب و کباب کو گلے لگایا عیش و عشرت کی محفلیں مزین کیں ۔۔۔ دوشیزاؤں کے حسن پر ہجوم دنیا کو جگا بیٹھ گیا ۔۔۔ مرد و زن کے باہمی اختلاط کو اس قدر آزاد کر دیا کہ شب کی تاریکی اور تخلیہ و تنہائی کی بھی قید اٹھا دی ۔۔۔ لیکن ان شبستانوں اور عشرت کدوں نے انہیں کیا دیا؟ ۔۔۔ دردِ دل ۔۔۔ زخمِ جگر ۔۔۔ روحانی کرب ۔۔۔ ذہنی انتشار، فکری اضطراب اور نہ ختم ہونے والی الجھنوں و پریشانیوں کی سوغاتیں ۔۔۔ امریکہ اور اس جیسے ملکوں کا حال زار سینما کی ریل کی طرح میرے پردۂ ذہن پر آتا جا رہا اور میں جنونی انداز میں بولتا جا رہا ہوں۔

دیکھئے نا انسانوں کا غول بیابانی ہندوستان کے کن شہروں میں نہیں ملتا، ان کا حلیہ دیکھو، ان کی آوارہ گردی پر غور کرو ۔۔۔ یہ لوگ اپنے ممالک کو خیرباد کہکے ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں مارے مارے پھرتے ہیں، اے کاش کہ تم ان کے دلوں کی پوشیدہ تحریروں کو پڑھ سکتا تو ستے ہوئے چہروں اور فکر مند پیشانیوں سے جھانکتا ۔ ڈاکٹر اسرار! اگر انسانیت کی سسکتی ہوئی روح علاج کے لئے مرہم تسکین اور اضطراب و بے چینی میں مبتلا انسانیت کی مسیحائی ذلت و ثروت کے خزانوں میں ہے، سکون قناعت و بالیدگی ہے اور سامان تعیشات کی فراوانی میں ہے، تو ہمیں بتاؤ کہ جن ممالک میں دولت کی ریل پیل ہے ۔۔۔ خوشحالی کا دور دورہ ہے ۔۔۔ پھر وہاں پریشانیوں کا گھر کیوں؟ ۔۔۔ لوگوں کے چہروں پر کیوں ہوائیاں اڑ رہی ہیں؟ ۔۔۔ کہاں کھو گیا ان کی زندگیوں کا سکون و قرار؟

دھائیں ۔۔۔ دھائیں ۔۔۔ دھائیں ۔۔۔ اچانک بندوق کی گولیوں کی آواز سے میرے خیالات کے تانے بانے بکھر جاتے ہیں۔

اتنی رات گئے گولیوں کی آواز کیسی؟ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے میں سوچنے لگتا ہوں۔

یقیناً کسی کا گھر چوروں کے جارحانہ حملوں کی زد پر ہے؟ میرے پردۂ ذہن پر ایک خیال ابھرتا ہے۔

"چور ۔۔۔ چور ۔۔۔ چور ۔۔۔ دوڑو ۔۔۔ دوڑو ۔۔۔ چور ۔۔۔" شور حیرت کے بلند ہونے والے شور و غل میرے گمان کی تصدیق کر دیتے ہیں۔ میں فوراً اپنے کمرے سے نکل کر آواز کی طرف دوڑنے لگتا ہوں، جائے واردات پر پہنچتے ہی میں سکتے میں آ جاتا ہوں، عورتوں کے رونے کی آوازیں سن کر میں بسرعت برق ہجوم کو چیرتا ہوا گھر میں داخل ہو جاتا ہوں، لالہ سیٹھ کی خون آلود لاش دیکھ کر میں معاملات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔

مسلح ڈکیتوں نے جب سیٹھ سے تجوری کی کنجی طلب کی تو اس نے ان لوگوں کو کنجی حوالے کرنے میں پس و پیش سے کام لیا، نتیجۃً ظالم لٹیروں کے سردار نے اپنی ریوالور کو شعلے اگلنے کا پورا موقع فراہم کر دیا اور تجوری سمیت اپنی راہ پہ روانہ ہو گئے۔ سیٹھ لالہ کی بہو جو کہ ڈکیتوں کی دہشت سے روپوش ہو کر یہ سارا دردناک منظر دیکھ رہی تھی اور حیرت روہانسا ہو کر اس نے پورا ماجرا بیان کیا۔

جائے واردات سے میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا ہوں، میرا ذہن پھر ڈاکٹر اسرار کی باتوں کی طرف مرکوز ہو گیا ہے اور میں تصور میں ڈاکٹر اسرار کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگتا ہوں۔

"دیکھو سیٹھ کا انجام ڈاکٹر اسرار! مال و دولت اپنے مالک کی

دیکھو کر غریب و نادار طبقہ بھی مضطرب و بے چین ہے، خوشحال اور دولت و ثروت کے مالک بھی اپنی جان و مال کی طرف سے بہت زیادہ پریشان اور فکرمند ہیں اگر خوشحالی ہی تمام مسئلوں کا واحد حل ہے تو خوشحال ملکوں اور مرفع الحال طبقوں میں یہ پریشانیاں اور بے کیفیاں کیوں ہیں؟ ڈاکٹر اسرار کے ناقص خیالات کی دھجیاں اڑا کر میں یک گونہ مطمئن ہو گیا ہوں، میرے ذہن و دماغ کی الجھنیں ختم ہو گئی ہیں، میرے ہونٹوں پر تبسم کی فاتحانہ بجلیاں رقص کر رہی ہیں، اور اب میں نیند کی آغوش میں جانے کے لئے اپنے آپ کو پورے طور پر آمادہ کر رہا ہوں۔

"دنیا کی ساری پریشانیوں اور الجھنوں کی اصل وجہ علم کی کمی ہے" ذہن کے کسی گوشے سے پروفیسر حمید کا یہ جملہ نشتر بن کر میرے دل و دماغ میں پیوست ہو گیا ہے، میری نیند کا خمار اب پھر اڑا جا رہا ہے، پروفیسر حمید کا طرح میری نظروں کے سامنے گھومنے لگے ہیں، میرے جذبات کی پرسکون موجیں ایک تیز رنگ کے ساتھ مرتعش ہوتی جا رہی ہیں، ہاں کل ہی انھوں نے پوری تقریر اسی موضوع پر ایک مجمع عام میں اس طرح فخریہ انداز میں پیش کی ہے گویا تمام الجھنوں کا سرا ان کے ہاتھ آ گیا ہو، میرا ساغر صبر چھلک اٹھتا ہے، اور میرے جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے

"پروفیسر صاحب! کل تم نے جو باتیں کہی تھیں اسے واپس لو ورنہ تمہارے خیالات کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دوں گا!" میں پروفیسر حمید کو اپنے تہا خانۂ دل میں موجود پا کر ان سے مخاطب ہوتا ہوں۔

"پروفیسر حمید! دنیا کے نقشوں میں ابھی ان خطوں کو ڈھونڈا جا سکتا ہے، جہاں ۸۰ اور ۹۰ فیصد تک لوگ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، لیکن کیا تعلیم یافتہ ممالک ان مسائل و پریشانیوں سے خالی ہیں، جن سے دنیا دوچار ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں! تو پھر یہ کیا ہے کہ تم تمام الجھنوں کے گرفتاروں کو کم علمی کا سوگ منانے کی دعوت دیتے ہو، اور توسیع علم کو پریشانیوں کا حل خیال کرتے ہو، لیکن کیا یہ واقعہ نہیں کہ جو اخلاقی برائیوں اور فکر و نظر کی گمراہیوں میں اگر غیر تعلیم یافتہ طبقوں کا تناسب پچاس اور ساٹھ فیصد ہے تو یہی تناسب تعلیم یافتہ طبقوں میں اسی اور نوے فی صد تک پہنچ جاتا ہے۔

چھوڑ دو دنیا کی باتیں، خود اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالو، کیا ان پڑھ اور جاہلوں سے زیادہ برائیوں میں لت پت اور بد اخلاقیوں میں ڈوبا ہوا وہ طبقہ نہیں ہے جو اپنے آپ کو علم کا دعویدار کہتا ہے؟ عقل و خرد کا ٹھیکیدار کہتا ہے۔"

"پروفیسر حمید! اپنے ملک ہی کا جائزہ لو کیا تم نے اپنے ملک میں ہونے والے تخریبی جلسوں اور جلوسوں، اسٹرائک اور ہڑتالوں اور مظاہرے اور ہنگاموں کا کبھی مشاہدہ نہیں کیا ——— یہ ظلم و بربریت کے ننگے ناچ ——— یہ شقاوت و بدبختی کی مذموم حرکتیں ——— یہ ہلاکت و سفاکی کے خونیں ڈرامے اور یہ قتل و خونریزی کے بدترین مظاہرے، جو انسانی زندگی کے چہرہ کا کلنک بن چکے ہیں ——— کن لوگوں کے ذہنوں کی پیداوار ہیں یہ؟ کون سے دماغ ان طاغوتی کرداروں کو جنم دیتے ہیں؟ ——— کیا وہ تعلیم یافتہ حضرات ہی نہیں ہوتے جو اپنی ناپاک سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جاہل و ان پڑھ حضرات کو اپنا آلۂ کار بناتے ہیں۔ اور اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو جب چاہتے ہیں کٹھ پتلی کی طرح نچاتے پھرتے ہیں۔

پروفیسر حمید! میں جہالت کو خود نا پسند کرتا ہوں اور اسے انسانی سوسائٹی کی ایک مستقل بیماری خیال کرتا ہوں، لیکن اسی ایک وجہ کو تمام خرابیوں کی جڑ قرار دینا کون سی عقلمندی ہے؟ اور کہاں کی دانشمندی؟

میرے عقلی دلائل پروفیسر حمید کو لاجواب کر چکے ہیں۔ میں چشمِ تصور سے پروفیسر صاحب کو اپنے سامنے سرنگوں کھڑا دیکھ رہا ہوں، شاید ان کی یہ پُر اسرار خاموشی (ان کی) شکست کا واضح اعلان ہے۔

غیر ارادی طور پر میری نظر گھڑی کی طرف جاتی ہے تین بجنے والے ہیں۔ صبح صادق کے طلوع ہونے میں صرف دو گھنٹے رہ گئے ہیں۔

"اب کیا ہوگا" میں سوچنے لگتا ہوں۔

"کچھ تو نیند کی تلافی ہو ہی سکتی ہے" میرے اندر سونے کی آمادگی پیدا ہوتی ہے لیکن جوں ہی میں سونے کی تیاری کرتا ہوں، کامریڈ فاروق کا مسکراتا ہوا چہرہ میرے ذہن کی اسکرین پر نمودار ہوتا ہے، ان کے سراپا کو دیکھتے ہی، ان کے اعتراض کی خیالات سینما کی ریل کی طرح گھومنے لگتے ہیں۔

"تمام خرابیوں کی بنیاد مذہب ہے، اگر سوسائٹی کے ذہنوں سے مذہب کو کھرچ کر نکال دیا جائے تو آج کی بدحال دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے"

یہ زہریلے کلمات بار بار ان کی زبان سے نکلتے رہتے ہیں۔

"اف کتنی کاری ضرب ہے یہ مذہب پر؟ — کتنا بے بنیاد الزام ہے دین و مذہب پر — کیا مذہب کو معمولی لگاؤ رکھنے والا بھی ان ناپاک خیالات کو برداشت کر سکے گا، کون ایسا مسلمان ہوگا جو ان زہریلے جملوں پر تلملا اٹھے، اس کی غیرت و حمیت بھڑک نہ جائے، میرے ذہن و دماغ میں کامریڈ فاروق کے فاسقانہ خیالات سے ایک سوزش پیدا ہو گئی، میری مٹھیاں بار بار بند ہو رہی ہیں اور کھل رہی ہیں، میرا پورا وجود غیظ و غضب کی آگ میں جلا جا رہا ہے۔

کامریڈ فاروق! میں تمہاری خام خیالی کا ازالہ کرنے سے پہلے تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج جبکہ تمہارے جیسے ملحدانہ خیالات رکھنے والے لوگوں نے مذہب کو اپنے اجتماعی معاملات سے الگ کر دیا ہے — اس کا سماجی بائیکاٹ کر دیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی پریشانیاں ختم ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں، یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ خود خدا مندر، گرجا، گوردوارہ اور مسجد میں احکام دیتا ہے اس کو تم گندی ذہنیت رکھنے والے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ان کے بین الاقوامی معاملات میں اور ان کی سیاسی و معاشی مشکلات میں مدد کرے — مسٹر فاروق! اگر مذہب ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے تو میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ماضی میں جو دو عظیم جنگیں لڑی گئیں، وہ کس مذہب کی بنیاد پر تھیں؟ — اور آج تیسری جنگِ عظیم جو قضائے مبرم کی طرح انسانیت کے سر پر منڈلا رہی ہے، یہ کس مذہب کے اشارے پر اٹھائی جا رہی ہے میں بے حد جذباتی انداز میں اپنے خیالات کے سیلِ رواں میں بہا جا رہا ہوں۔

کامریڈ فاروق! مجھے بتاؤ کہ ویتنام، جو ایک عرصہ دراز تک امریکہ اور روس کی جنگی سازشوں کی آماجگاہ بنا رہا، آخر کون مذہب وہاں کارفرما تھا — ماضی میں شنگھائی کے اندر جو انسانی ہلاکت و سفاکی کا خونی ڈرامہ کھیلا گیا، یہ کس مذہب کی کارستانی تھی اور آج افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا مذہبی جنون ہے؟ —

کامریڈ فاروق! ہو سکتا ہے کہ تمہارے ذہن میں یہ خیال بھی موجود ہو کہ ہندوستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا ذمہ دار بھی مذہب ہی ہے۔ لیکن یہاں پر میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مذہب کس چیز کا نام ہے تم میرے سوال کا جواب دینے میں ناکام ہو گئے تو، اچھا تو میں خود تم کو بتاتا ہوں — کامریڈ فاروق! مذہب ایک شخص یا مجموعہ افراد کے اعمال کا نام نہیں، مذہب تو نام ہے

ان بنیادی اصولوں کا جو خالق کائنات کی طرف سے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یا جماعت مذہب کے نام پر فرقہ وارانہ اقدام کرتی ہے تو اس کی ذمہ داری مذہب کے سر نہیں ڈالی جا سکتی، ہاں اگر مذہب ظلم و بربریت اور قتل و خون ریزی کی تعلیم دیتا ہے تب تو یقیناً اس کا ذمہ دار مذہب ہو سکتا ہے لیکن کامریڈ فاروقی! میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جسے مذہب سے ذرا بھی تعلق ہو گا وہ کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وید، گرنتھ اور قرآن میں فرقہ وارانہ خیالات کی تعلیمات ملتی ہیں، جب صورت واقعہ یوں ہے تو پھر مذہب کو تمام خرابیوں اور سارے فسادات کی بنیاد قرار دینا کیا یہ عدل و انصاف کا خون نہیں؟"

میں اپنے دل کا غبار کسی قدر نکال چکا ہوں، اب میرے آئینۂ دل میں بیک وقت تینوں حضرات کی تصویریں سوالیہ نشان بنی دکھائی دے رہی ہیں شاید وہ مجھ سے پوچھنا چاہتی ہیں کہ آخر موجودہ عالمگیر خرابیوں کی جڑ کیا ہے؟ اور ان کا تدارک کیسے کیا جا سکتا ہے؟

" آج دنیا میں جتنی بھی خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کا واحد سبب میرے نزدیک دو نظام حیات ہیں، جن میں سے ایک کی سربراہی کا شرف امریکہ کو حاصل ہے اور دوسرے کی رہنمائی کا سہرا روس کے ہاتھ میں ہے امریکہ میں جو نظام قائم ہے، اسے سرمایہ دارانہ نظام کہتے ہیں اور روس کے نظام حیات کی بنیاد نظریۂ اشتراکیت کی بنیاد پر ہے، دونوں نظام حیات اپنے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے یکساں ہیں، ایک کے یہاں حاکمیت اعلیٰ جمہور کا حق ہے تو دوسرے کے یہاں حاکمیت اعلیٰ حکومت وقت کا حصہ ہے، بہر حال حاکمیت مخلوق دونوں نظاموں کی بنیاد ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک جمہوریت کے راستے سے آتا ہے اور دوسرا انقلاب اور قتل و خونریزی کی راہ سے، میں عالمگیر خرابیوں کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، میرے مخاطب تینوں حضرات میری باتوں کو بغور سن رہے ہیں، شاید کہ ان کی الجھنوں میں کچھ کمی واقع ہونے لگی ہے۔

" امریکہ جہاں نظام سرمایہ داری قائم ہے اور جس کی پیروی دنیا کے بیشتر ممالک کرتے ہیں، وہاں کی ریاستیں خدائی ہدایات سے محروم و بے پرواہ ہوتی ہیں، یعنی یہ ریاستیں، خدائی احکام کی پابندی کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتیں، ہاں ان ریاستوں میں ان احکام کی اجازت تو ہوتی ہے جن کا تعلق رسم و رواج سے ہے جو انسان کی انفرادی زندگی سے، لیکن اجتماعی معاملات کے سارے مراحل عقل و خرد کے ذریعہ طے کئے جاتے ہیں اور خدائی احکام کی پابندی ناقابل برداشت سمجھی جاتی ہے جو بے جا دخل اندازی کے مترادف ہوتی ہے، گویا اس نظام میں خدا کو معطل کر دیا جاتا ہے اور اپنی خام عقل کی بنیاد پر اسکی حاکمیت کے حدود متعین کئے جاتے ہیں۔

یہ کتنی حماقت کی بات ہے کہ علیحدہ علیحدہ فرد پر تو قانون چلے خدا کا اور یہی افراد جب اکٹھا ہو کر کوئی منصوبہ بندی کرنا چاہیں اور اپنے جذبات و رجحانات کی کوئی اجتماعی شکل پیدا کرنا چاہیں تو اپنے آپ کو اس خدائی قانون سے آزاد کر لیں، آخر سوسائٹی اور سلطنت کس کا نام ہے؟ انھیں افراد کے مجموعہ کا تو نام ہے جن پر فرداً فرداً قانون خداوندی کے نفاذ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا، ظاہر بات ہے کہ اس طرز عمل کا جو انجام ہونا چاہئے تھا وہ ہوا ہے اور ہم اپنی آنکھوں سے سرمایہ دارانہ نظام کے پیروکاروں کا حال زار دیکھ رہے ہیں، اف کس قدر کسمپرسی کے عالم میں ہے انسانیت ان ملکوں میں اور کتنا اضطراب و بے چینی میں مبتلا ہے بنی نوع انسان ان خدائی قانون سے آزاد ملکوں میں، میرے اندر جذبات کا ایک طوفان ہچکولے لے رہا،

اور میں باطل نظاموں کی بے اعتمادی ثابت کرنے میں اپنے آپ کو مشغول پا رہا ہوں۔

روس جو کہ اشتراکی نظام کا سب سے بڑا علمبردار ہے اور مساوات کا پُرفریب نعرہ دے کر انسانیت کو دامِ تزویر میں پھانس لیتا ہے، وہاں بھی انسانی حقوق کا جس طرح استحصال کیا جاتا ہے، وہ ہر ذی شعور انسان کے سامنے ہے، مساوات سے ہمیں چڑ نہیں، بلکہ ہم تو خود بھی مساوات کے قائل ہیں، اور ہمارا اسلام بھی مساوات کی تعلیم دیتا ہے، لیکن ہم اس مساوات کے قائل نہیں جس کی تعلیم کارل مارکس دیتا ہے، اگر وہ ذرائع میں مساوات کا قائل ہوتا تب تو یہ انسانیت کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا بہت بڑا ثبوت ہوتا، لیکن ہم جانتے ہیں کہ مارکس کا نظریہ ذرائع میں مساوات کا قائل نہیں بلکہ وہ تو نتائج اور انجام کار میں مساوات کا قائل ہے یہ کتنی بڑی حماقت کی بات ہو گی، اگر کوئی اس اصول کا قائل ہو کر طلبہ کا امتحان لینے کے بعد تمام طلبہ کے درمیان ان کے حاصل نمبروں کو برابر تقسیم کر دیا جائے اور ان کی ذہانت و کند ذہنی، ان کی صلاحیت و بے بضاعتی اور ان کی جدوجہد و تساہل و کوتاہی میں کوئی فرق و امتیاز نہ قائم کیا جائے۔

پھر مساوات کا یہ دعوٰی بھی بے بنیاد ہی ہے کیونکہ عملاً وہاں کچھ اور ہی مظاہرہ ہوتا ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ کوسیجن اور برزنیف اور ان جیسے عہدیدار ان جیسی زندگی گذار رہے ہیں، اور جو مراعات، سہولتیں اور آسائشیں ان کو حاصل ہیں، مزدور طبقہ ان آسائشوں سے محروم نہیں ہے؟ کیا کارخانوں میں خون پسینہ ایک کرنے والے مزدوروں کو ان جیسی سہولتیں میسر ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر مساوات کا کھوکھلا دعوٰی ایک مغز باختہ کے سوا کچھ نہیں۔

دنیا کے جس خطہ پر یہ نظام مسلط ہے، وہاں انسانیت ہر آدمی کے لئے ترس گئی ہے، انسان کو ایسا معاشی جانور بنا دیا گیا ہے جسے صبح سے شام تک غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے، ایسے ماحول میں خاندانی شیرازہ بندی کا تصور ناپید ہو گیا ہے، آزادی، اجارہ داری، دولت کی تقسیم اور سرمایہ کی ٹھیکیداری حکومت کے چند لوگوں کا مقدر اور نصیبہ بن گئی ہے، ایسے نظامِ حیات کے تحت زندگی گذارنے والے انسانوں کا جو حشر ہو رہا تھا وہ ہو رہا ہے ان کی زبوں حالی آج کسی سے پوشیدہ نہیں، دونوں نظامِ حیات کی خرابیاں اور ان کا وجود عالمِ انسانیت کے لئے پریشانیوں اور الجھنوں کا سبب ظاہر کرنے کے بعد میرے خیالات کا بہاؤ اب رک گیا ہے اور اسلام کا روئے تاباں ان خرابیوں کا حل پیش کرنے کے لئے خود بخود میرے شعور میں جلوہ گر ہونے لگا ہے، میرے اندر پھر جذباتی کیفیت عود کر آئی ہے اور میں پھر تصورات کے سیلِ رواں میں بہا جا رہا ہوں۔

ہاں ایسے حالات میں جبکہ اس کرۂ ارض پر کوئی نظریہ اور حکمتِ عملی باقی نہیں رہی جس کو بے چین دنیا نے اپنے سکون کے لئے نہ آزمایا ہو، مگر کوئی بھی انسانیت کے درد کا درماں ثابت ہو سکا، بلکہ انسانیت کے ان خود ساختہ نسخوں نے بے چینی میں اور اضافہ کیا ـــــ لیکن ہاں! ایک نسخہ اب بھی موجود ہے، جو انسانیت کے امراض کا کامیاب علاج ثابت ہو سکتا ہے، یہ وہ نسخۂ کیمیا ہے کہ زمانے کے تغیر و تبدل کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ لیٹسٹ (Latest) ہی رہتا ہے، جس زمانے میں بھی لوگوں نے اسے آزمایا، انہیں شفایابی نصیب ہوئی، وہ نسخۂ کیمیا کیا ہے؟ وہ اللہ کا بھیجا ہوا اسلام ہے!

آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل دنیا انھیں

پریشانیوں اور الجھنوں کی شکار تھی، آج جن میں موجودہ
دنیا مبتلا ہے، وہ اپنی پریشانیوں سے نجات حاصل
کرنے کے لئے جب تک انسان کے بنائے ہوئے نسخوں
پر عمل کرتی رہی، اسکی بے چینیاں اور بے اطمینانیاں
دور ہونے کے بجائے دن بدن بڑھتی رہیں لیکن جب
اس نے اللہ کے بھیجے ہوئے نسخۂ کیمیا کو استعمال کیا
تو اسکی ساری پریشانیاں کافور ہو گئیں، اتنا ہی نہیں
کہ انھیں اس نسخۂ کیمیا کے استعمال سے بالیدگی اور
صحت مندانہ زندگی نصیب ہوئی بلکہ جو چرواہوں کی
زندگی گذارنے پر مجبور تھے ـــ جو ذلت کی خاک
چاٹ کر صبح و شام کرتے تھے، جو چھوٹے خداؤں
کے ہر ظلم و ستم کے تختۂ مشق بننے پر بھی زبان سے
شکوہ کا ایک لفظ بھی نہ نکال سکتے تھے ـــ اور
ذلت و شکست جن کا مقدر بن چکی تھی ـــ یہ اسی
نسخۂ کیمیا کا کرشمہ تھا کہ اس نے انھیں تحت الثریٰ سے
نکال کر اوجِ ثریا پر پہنچا دیا ـــ ذلت و رسوائی اور
ناکامی و نامرادی کی دلدل سے نکال کر عزت و کامرانی
کی منزل حوالے کر دی ـــ غلامانہ زندگی کی لعنتوں
سے پاک کر کے تاج و تخت کا مالک بنا دیا ـــ
تیرہ بختی و کسمپرسی کے گھڑے سے نکال کر خلافت
و نیابت کی زریں خلعت سے نوازا ـــ اور اپنی الفت
و محبت کا ایسا تاج و تخت اور اپنی چاہتوں کی ایسی
شہنشاہی عطا کی کہ وہ صرف اپنے ملک ہی میں باعزت
اور با اقتدار قوم کی حیثیت سے نہیں ابھرے، بلکہ
ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بیشتر حصوں پر چھاتے
چلے گئے، صرف ان کی زمینوں ہی پر نہیں بلکہ ان کے
دل و دماغ پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔

یہ اتنا بڑا اعزاز تھا جو اس دور میں جہالت
اور خرابیوں میں ڈوبی ہوئی دنیا کو نصیب ہوا، اس نسخۂ
کیمیا کو استعمال کرنے کی وجہ سے اگر پندرہ سو برس
پہلے کی بدحال دنیا کی پریشانیاں دور ہو سکتی ہیں تو پھر
کیا وجہ ہے، آج کے عالمگیر انتشار و خلفشار کا ازالہ اس
نسخۂ کیمیا سے نہ ہو، جبکہ بنیادی خرابیاں اور مادی
امراض تقریباً وہی ہیں جو پہلے تھے، پھر اس نسخہ کی سب سے
بڑی خصوصیت یہ ہے کہ زندگی کے ہر گوشے میں پوری
رہنمائی کرتا ہے، خواہ وہ گوشہ اعتقادات و عبادات کا ہو
یا اخلاق و معاملات کا، مسجد اور مدرسے کا ہو یا گھر اور
بازار کا، تہذیب و تمدن کا ہو یا نکاح و طلاق کا، مناکحات
و مناجات کا ہو یا معاشیات و سیاسیات کا، اسمبلی اور
پارلیمنٹ کا ہو، یا بزمِ صلح اور میدانِ جنگ کا۔

اللہ اکبر اللہ اکبر ـــ اللہ اکبر اللہ اکبر ـــ

اذانِ سحر کی لاہوتی صداؤں سے میرے خیالات کے تانے
بانے بکھر گئے ہیں، میرے جذبات کی روانی تھم گئی
ہے، اور میرے احساسات کی شورشیں پُر سکون
ہو گئی ہیں، میں باوضو ہو کر خدا کی حمد کی زمزمہ سنجی کرنے
اور اس حاکمِ اعلیٰ کے دربار میں اپنی عقیدتوں کی سوغاتیں
اور اپنی نیاز مندیوں کے نذرانے پیش کرنے جا رہا ہوں
جس کے دربار میں امیر و غریب، قوی و ضعیف اور
غلام و آقا سب مساوات کی حسین لڑیوں میں پرو جاتے
ہیں اور جس کا حکم مسجد سے لے کر کائنات کے ایک
ایک ذرہ پر چلتا ہے، ہاں اسی مہربان اور شفیق آقا
کے حضور میں اپنی بندہ نوازیوں کا سب سے قیمتی تحفہ
اشکوں کی صورت میں پیش کرنے جا رہا ہوں، کیونکہ
لوگ کہتے ہیں کہ جو اشک ندامت و پشیمانی پر بہتا ہے
وہ اس کی درگاہ میں سب سے بڑھ کر مقبول اور گوہرِ آبدار
بن جاتا ہے

٭ ٭ ٭

ہنگری اور افغانستان
میں
روسی حملہ کی ایک جوڑ مثال

(ہنگرین جرنلسٹ جان فیسری کے قلم سے)

۱۹۵۶ء میں جب ہنگری کے ملک وفاداروں نے روسی قبضہ کے خلاف کھلی بغاوت کی تھی تو ان کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر روس کے زیر سایہ اپنی حکومت قائم رکھنے پر تیار نہیں تھے، وہ اپنی ایک اپنی کی پارلیمنٹ حکومت بنانا چاہتے تھے جس میں وہ اپنے ملک کے اچھے برے کا فیصلہ خود کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روس نے ہزاروں فوجیوں کے ذریعہ ہنگری پر حملہ کر دیا، ہنگری کے وفاداروں کی کسی ملک نے مدد نہیں کی نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں محب وطن کمیونسٹوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا، گولی سے اڑا دیا گیا اور مشین گنوں سے تباہ و برباد کر دیا گیا۔ امرے نیگی جنہیں روس نے ہنگری کا وزیر اعظم بنایا تھا، اس لئے ان کی جان لے لی، کیونکہ انھوں نے بھی روس کا وفادار رہنے سے انکار کر دیا تھا، ٹھیک

وہی طور طریقہ روسیوں نے افغانستان میں اپنایا، روسیوں کے بٹھائے ہوئے حفیظ اللہ امین کو اس لئے اپنی جان گنوانی پڑی کہ وہ روسیوں کا دم چھلا بن کر حکومت چلانے کے لئے تیار نہیں تھے۔

حفیظ اللہ اور امرے نیگی کے آزادانہ اصولوں میں کوئی فرق نہیں تھا، ہنگری پر چڑھائی کرتے وقت روسیوں نے یہی کہا تھا کہ وہاں مغربی سامراج کی دخل اندازی روکنے کے لئے ہمیں ایسا کرنا پڑا، اور حالات کے پرسکون ہوتے ہی ہم اپنی فوج واپس بلالیں گے مگر آج تک روسیوں نے نہ تو اپنی دخل اندازی چھوڑی اور نہ اپنی فوج واپس بلائی۔

اگر آزاد لیے ملکوں نے ہنگری کے وفاداروں کی مدد کی ہوتی تو ہنگری روس کے قبضہ سے نکل کر آزاد

ملک ہوتا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آج سوویٹ روس افغانستان جیسے آزاد ملک کی آزادی کو چھیننے کی ہمت نہ کرتا۔

(۱) کیا اس ۲۴ سال کے اندر روسیوں نے ہنگری، چیکوسلواکیہ، ایسٹ جرمنی سے اپنی فوجیں ہٹالیں؟

(۲) اگر افغانستان کو آزاد لیں، کیا انڈیا، کیا یورپ کے لوگوں نے مدد نہیں کی تو آئندہ بھی روس کی غلامی منظور کرنی پڑے گی، اور ان کی بھی وہی حالت ہوگی جو آج ہنگری، چیکوسلواکیہ کی ہو رہی ہے۔

اس پانچ برس میں جس جانبازی کے ساتھ افغانیوں نے اپنی آزادی کی لڑائی جاری رکھی ہے، وہ بے مثال ہے، خدا انہیں جلد سے جلد آزاد کرے۔

یہاں افغانستان کی اس آزادی کی لڑائی میں نہ کسی چینی نے اپنی جان گنوائی، نہ امریکن نے یا کسی برٹش نے، کیونکہ یہاں بھی وہی بربریت دہرائی جا رہی ہے جو ہنگری پر قبضہ کرتے وقت روسیوں نے کیا تھا، اب تک ایک لاکھ سے اوپر افغانیوں نے اپنی جانیں ملک پر قربان کر دی ہیں، اور لاکھوں افغانی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آس پاس کے ملکوں میں پناہ لے رہے ہیں اور جانوروں کی سی زندگی کاٹ رہے ہیں۔

ان پناہ گزینوں کا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ یہ اپنے ملک میں آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

الٰہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۳۰ء سے خطاب کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا

مذہب اسلام کی رُو سے خدا اور کائنات، کلیسا اور ریاست، روح اور مادہ، ایک ہی کل کے مختلف اجزاء ہیں اور اس کے پیش نظر ایک ایسا عالمگیر نظام سیاست ہے جس کی اساس وحی الٰہی پر ہے۔ البتہ اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے الگ نہیں، دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

سوشلزم کی آمد پر تباہی:

روس میں سوشلزم کو لانے کے لئے جو قتل و غارت گری ہوئی اس کے سرکاری اعداد و شمار یہ ہیں:۔

سوشلزم لانے کے لئے دی گئی انسانی جان کی قربانی:

(۱) پادری — ایک ہزار پانچ سو اکیانوے۔
(۲) جج مجسٹریٹ اور وکلاء — چونتیس ہزار پانچ سو چھیاسی۔
(۳) فوجی افسر — چھپن ہزار تین سو چالیس۔
(۴) مزدور — ایک لاکھ چھیانوے ہزار
(۵) سپاہی — تین لاکھ اڑسٹھ ہزار
(۶) سرمایہ دار اور دوسرا — باسٹھ ہزار آٹھ سو نوے
(۷) کسان — آٹھ لاکھ نوے ہزار

(بحوالہ وقت لاہور)

عزم جواں:

جیل سے سید مودودیؒ کا اپنی والدہؒ کے نام خط:۔

"جس راستے پر میں چل رہا تھا اس میں یہ منزل تو بہرحال آنی تھی، حیرت اس کے آنے پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ اتنی دیر سے کیوں آئی۔ درحقیقت میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ شیطان اور اس کی برادری نے مجھے اتنے دنوں برداشت کیسے کیا۔ بہرحال اب کہ وہ ادھر متوجہ ہو گئے ہیں، یہ امید رکھئے کہ یہ کشمکش جلدی ختم ہو جائے گی۔ اب اس کا خاتمہ دو ہی طرح ہو سکتا ہے، یا میں ختم ہو جاؤں یا وہ اصلاح ہو کر رہے جس کے لئے میں پچھلے پندرہ برس سے کام کرتا رہا ہوں۔ ان دونوں صورتوں کے درمیان کوئی تیسری صورت ممکن نہیں۔"

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

کمیونسٹوں کے بارے میں
نہرو جی نے کتنی صحیح بات کہی تھی!

آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو اپنے دورِ اقتدار حکومت میں اکثر کہا کرتے تھے کہ وہ ہندوستان کے کمیونسٹوں کی ان کی وفاداری کی تعریف کرتے ہیں، لیکن اس بات سے نفرت کرتے ہیں کہ کمیونسٹوں نے اپنے دل اور دماغ روس یا چین میں رہن کر دئیے ہیں۔

یہ بات کتنی سچ ہے یہ ہمیں روسیوں کے ذریعہ افغانستان پر حملہ سے معلوم ہوا، پانچ مہینہ گزر گئے، افغانستان پر روس کا زبردستی قبضہ ہے، اس قبضہ کے خلاف آزاد افغانستان کے لوگ زبردست جنگ لڑ رہے ہیں، روس کی اس ناانصافی اور جبریہ قبضہ کو اگر ہندوستان کے سارے سیاسی پارٹیوں میں اگر کوئی پارٹی حق بجانب قرار دے رہی ہے تو وہ ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی اور مارکسسٹ کمیونسٹ پارٹی ہے۔

جب چین نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تب مارکسٹ کمیونسٹ پارٹی نے چین کی حمایت کی تھی۔ سی پی آئی خاموش تھی، کیونکہ اس زمانہ میں سی پی آئی کے آقا خروشچوف نے یہ کہا تھا کہ ہم چین کے حملہ پر خاموشی کے علاوہ کچھ کر بھی نہیں سکتے، کیونکہ چین ہمارا بھائی ہے، اور ہندوستان ہمارا دوست ہے۔

خروشچف کے بقول، اگر کمیونسٹوں نے اپنے دل و دماغ کو ماسکو اور پیکنگ میں رہن نہ کیا ہوتا تو یہ کھل کر افغانستان پر روسی حملہ کی مذمت کرتے اور ہر شہر میں روس کے خلاف میٹنگ کرتے اور جلوس نکالتے۔

انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آنجہانی مارشل ٹیٹو اور ان کی حکومت نے افغانستان پر روسی حملہ کی مذمت کی تھی اور مرتے دم تک کرتے رہے۔

سی پی آئی کی خاموشی اور روسیوں کے اس کارنامے کی حمایت کرنے کی ایک ہی وجہ ہے کہ انہوں نے روس کی غلامی میں ہی اپنی بہتری سمجھی، یوگوسلاویہ کی طرح اگر ان کی قومی جذبات ہوتے تو ہندوستان میں بھی کمیونسٹوں کی بحالی کے لئے عوام مدد کرتے۔

شرافت کا کم سے کم درجہ

"حق کے آگے سر جھکانا اور ناحق کے آگے سر جھکانے پر موت کو ترجیح دینا، ایک شریف قوم کا خاصہ ہونا چاہئے اور اگر وہ اعلائے حق اور اعانتِ حق کی قوت نہ رکھتی ہو تو اسے کم از کم ترکِ ناحق پر سختی کے ساتھ مصر و قائم رہنا چاہیے، جو شرافت کا کم سے کم درجہ ہے۔"

(امام مودودیؒ)

تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی

سوال :- ایک بات عرصہ سے میرے ذہن میں گشت کر رہی ہے، جو بسا اوقات میرے لئے ایک فکر کی شکل اختیار کر لیتی ہے، میں اللہ سے خصوصی طور پر اس امر کے لئے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان ذی علم اور با صلاحیت حضرات کو اس طرف متوجہ کر دے جن کی کوششوں میں بہت ہی تاثیر پوشیدہ ہے، جن کے قلب و دماغ کی طاقت سے بہت کچھ بن سکتا ہے اور بگڑ سکتا ہے، امت کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے تفرقے بھی مٹ سکتے ہیں، تعمیری انقلاب بھی برپا ہو سکتا ہے اور وہ سب کچھ ہو سکتا ہے جو ناممکن نظر آتا ہے، ایسے ہی لوگوں کی قوت فکر کی یکجائی اور ہم آہنگی کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں۔

جس بات کو ہم کہنا چاہتے ہیں، وہ بہت بڑی اور الجھی ہوئی ہے اور مجھ جیسے کم صلاحیت انسان کے لئے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ ایسے اہم معاملہ پر قلم اٹھائے لیکن صرف اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی رحمت کے بھروسے ہم نے یہ مخاطبت شروع کی ہے، شاید کہ وہ کوئی مفید نتیجہ پیدا کر دے۔

آپ نے اپنی تحریرات میں متعدد جگہ اس طرح کا اعادہ کیا ہے کہ یہ کام ہم نے اللہ کے لئے اور اللہ کے ہی بھروسہ پر شروع کیا ہے، اگر مجھ سے غلطی ہو رہی ہے تو وہ میری اصلاح کر دے، نیز آپ نے اس طرح کے اختلافات پر بھی فراخ دلی کے ساتھ غور و خوض کرنے کا علی الاعلان اطمینان دلایا ہے، جو حق پسندی اور نیک نیتی پر مبنی ہو، اور ہم اس بات پر پوری طرح مطمئن ہیں کہ آپ نے واقعتاً ایسے مواقع پر کسی طرح کی تنگدلی کا اظہار نہیں فرمایا ہے۔

آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ میں نے دین کا ابتدائی شعور تبلیغی جماعت سے حاصل کیا، اب تک میرا تعلق اس جماعت سے قائم ہے، اللہ اس کو قائم رکھے اور اس سے زیادہ کی توفیق عطا فرمائے، لیکن اس کے ساتھ ہی میرا گہرا ربط جماعت اسلامی سے بھی پیدا ہو چکا ہے اور اب میرا زیادہ وقت اسی جماعت کے کاموں میں صرف ہوتا ہے، یہ میں فخر نہیں کرتا بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی اب ایک زندہ جماعت ہے، اور دیندار طبقہ کی نگاہ بھی اب اس طرف مرکوز ہو رہی ہے، لیکن جو بات کہ میرے نزدیک انتہائی افسوسناک ہے، وہ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کی کشاکش ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں اپنے تبلیغی احباب سے جو اس حلقہ میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، گفتگو کی اور بالکل بے تکلفانہ اعتراض کیا کہ آپ غیر مسلموں کے قبول

اسلام اور ہدایت کے لئے دعا کر سکتے ہیں، لیکن آپ کے دل میں وسعت نہیں ہے تو جماعت اسلامی کے لئے ۔ آپ ایک فاسق و فاجر مسلمان کے عقیدہ و عمل کی اصلاح کے لئے ہر طرح کی محنت کر سکتے ہیں اور مشقت اٹھا سکتے ہیں، ان کی بد اخلاقی اور ٹھوکر کو برداشت کر سکتے ہیں، لیکن جماعت اسلامی جو آپ کی نگاہ میں گمراہ ہے وہ قابل توجہ نہیں ہے، اور نہ اس کی ضرورت آپ کے نزدیک ہے، ان سے ملنا، ان کی باتوں کو سننا، اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اس کو سمجھنا بھی آپ کے نزدیک گمراہی کو دعوت دینا ہے ـــ لیکن ان کے ساتھ ہی جماعت اسلامی کے اجتماع کی حالت بھی اس لحاظ سے ان سے کچھ بہتر نہیں ہے؛ ہم اپنے تجربہ کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ تبلیغی لوگوں کو دیکھ کر ان میں ایک حرارت پیدا ہو جاتی ہے، میری سمجھ میں بات نہیں آتی کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے، ہم نے ہر چند ان سے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ تبلیغی جماعت دین ہی کی تبلیغ تو کرتی ہے، کوئی بد دینی تو نہیں پھیلاتی اگر صرف کلمہ اور نماز کی حد تک ہی مان لیا جائے تو کیا یہ دین کی تبلیغ نہیں ہے، کیا یہ بنیادی چیز نہیں ہے جس کے بغیر کوئی مسلمان خواہ وہ علم و عمل کے کسی مقام پر ہو زندہ نہیں رہ سکتا، کیا ان کی شب و روز کی کوششیں خالصۃً لوجہ اللہ نہیں ہیں، ہم نے آکر ان کے دماغ میں وہ وسعت نہیں ہے، لیکن ایک کمزور اور نحیف شخص کی کمزور سی محنت جو دین کے لئے ہو، کیا یہ اللہ کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں ہے؟ میں تو کہتا ہوں، ایک سادہ لوح انسان جو اپنی تمام بے توفیقیوں اور کمزوریوں کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے اس کے دین کی سربلندی کی کوشش کرے، وہ شاید اس اعتبار سے بڑھ جائیگی کہ اس میں آمیزش کا امکان نہیں ہے ۔ بخلاف اس کے ایک ذی علم اور باصلاحیت انسان کے توشۂ معاد میں آمیزش کا امکان کم ہوتا ہے، اگرچہ وہ بیشتر ذی عقل و حکمت پر نتیجہ آ سکتا ہے ۔

بہر حال یہ بات تو اپنے لئے ہوئی جہاں تک دینی مفاد کا تعلق ہے، نہ معلوم میرا یہ خیال کس حد تک صحیح ہے کہ ایسے ہی لوگ اگر ان کے ذہن میں اسلامی نظام کی اہمیت پیدا ہو جائے تو میرے لئے ممد ہو سکتے ہیں ایسا مخلص گروہ جو اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کی ہوس نہ کرے، بلکہ جو کچھ سوچے سمجھے اور چاہے وہ صرف آخرت کے لئے، اس سے زیادہ مفید انسان بنانے اور کہاں مل سکتے ہیں، ہم اس پر اصرار تو نہیں کر سکتے لیکن اپنے علم کی حد تک ۔ اس خیال کو بہت قریب پاتے ہیں کہ خلافت راشدہ کا قیام ایسے ہی لوگوں پر تھا ۔

میری اس مخاطبت کا اصل مدعا یہ ہے کہ اگر ہم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں اور ان کو قریب کر اپنا لینے کی کوشش کریں تو یہ کس حد تک ممکن العمل اور موجب خیر ہوگا ۔

میرا یہ مقصد نہیں کہ ایک جماعت دوسری میں ضم ہو جائے ۔ نہیں، بلکہ جو جس طور پر کام کر رہی ہے کرتی جائے ۔ اپنے اپنے حدود میں رہتے ہوئے ان کے ہمدرد ہو جائیں اور وہ ہمارے دعا گو بن جائیں ۔ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان سے اختلاف کا مٹ جانا ہی بہت بڑی چیز ہے ۔

جواب :- دوسری دینی جماعتوں کے متعلق میرا نقطۂ نظر ہمیشہ سے یہ رہا ہے اور میں اس کا اظہار کرتا رہا ہوں کہ جو جس درجہ میں بھی اللہ کے دین کی کوئی خدمت کر رہا ہے، وہ غنیمت ہے، مخالف دین تحریکات کے مقابلے میں دین کا کام کرنے والے سب حقیقت میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں [illegible]

کو اپنا مددگار ہی سمجھنا چاہئے۔ رقابت کا جذبہ اگر پیدا ہو سکتا ہے تو اسی وقت جبکہ ہم خدا کے نام پر دوکانداری کر رہے ہوں، اس صورت میں تو بیشک ہر دوکاندار یہی چاہے گا کہ میرے سوا اس بازار میں اور کوئی دوکان نظر نہ آئے، لیکن اگر ہم یہ دوکانداری نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اخلاص کے ساتھ خدا کا کام کر رہے ہیں تو ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ ہمارے سوا کوئی اور بھی اسی خدا کا کام کر رہا ہے، اگر کوئی کلمہ پڑھوا رہا ہے تو بہرحال وہ بھی خدا ہی کی راہ میں ایک خدمت انجام دے رہا ہے۔ اور اگر کوئی وضو اور غسل کے مسائل بتا رہا ہے تو وہ بھی اسی راہ کی ایک خدمت انجام دے رہا ہے، آخر اس کو مجھ سے اور مجھے اس سے رقابت کیوں ہو، اور ہم ایک دوسرے کی راہ میں روڑے کیوں اٹکائیں۔ کلمات خبیثہ کی اشاعت کرنے والوں کے مقابلہ میں تو کلمۂ طیبہ پڑھوانے والا مجھے عزیز ہونا چاہئے، اور فسق و فجور پھیلانے والوں کے مقابلہ میں احکام شرعیہ کی تعلیم دینے والا بھی مجھے محبوب ہی ہونا چاہئے۔

میں نے جماعت اسلامی کے کارکنوں میں بھی ہمیشہ یہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کے خلاف کسی روش کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا ہے۔ اگر آپ نے جماعت میں کہیں اس سے مختلف کوئی جذبہ و عمل پایا ہو تو مجھے تعین مقام و اشخاص کے ساتھ اس کی خبر دیجئے تاکہ میں اس کی اصلاح کر سکوں۔

خاص طور پر تبلیغی جماعت کا جو ذکر آپ نے کیا ہے، اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ اس جماعت کے حق میں بھی میں نے ہمیشہ اپنے دل میں جذبۂ خیر ہی کو جگہ دی ہے اور اپنی زبان و قلم سے اس کے لئے کلمۂ خیر ہی ادا کیا ہے، مولانا محمد الیاس مرحوم کی زندگی میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، میوات کے علاقہ میں ان کے ساتھ دورہ کر کے ان کے کام کا قریب سے مطالعہ کیا تھا، اس کے بعد ان کے کام میں جو پہلو میں نے خیر و برکت کے محسوس کئے تھے، ان کا ترجمان کے ذریعہ سے تفصیلی تعارف کرایا تھا، اور جن پہلوؤں سے کوئی کمی یا تشنگی محسوس کی تھی، انھیں خاموشی کے ساتھ صرف مولانا مرحوم کی خدمت میں عرض کر دینے پر اکتفا کیا تھا[1]۔ اس کے بعد سے آج تک کوئی مثال اس امر کی پیش نہیں کی جا سکتی کہ میں نے اس جماعت کے خلاف یا اس کے رہنماؤں کے خلاف کوئی بات کبھی کہی یا لکھی ہو یا جماعت اسلامی کے کارکنوں نے کبھی اس کے کام میں روڑے اٹکائے ہوں۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا رویہ میرے اور جماعت اسلامی کے ساتھ اس سے بہت مختلف رہا ہے، اس کے عام کارکنوں ہی نے نہیں، اس کے اکابر تک نے جماعت اسلامی کے ساتھ متعدد مواقع پر ایسی روش اختیار کی ہے، جس کی مجھے ایک دفعہ تحریری شکایت بھی کرنی پڑی تھی[2] مگر انھوں نے کوئی اصلاح نہ کی۔ حال ہی میں اس کے ایک ممتاز رہنما نے اپنے رسالے میں مجھ پر اور جماعت اسلامی پر پے درپے جو عنایات فرمائی ہیں، وہ بھی آپ نے دیکھی ہوں گی، پچھلے دنوں مشرقی پاکستان میں یہ حضرات جماعت اسلامی کے خلاف علمائے دیوبند کے فتووں کی کاپیاں بھی بڑی تعداد میں پھیلا چکے ہیں، حالانکہ وہاں کی بڑھتی ہوئی بے دینی کی رو کو روکنے کے لئے جماعت جو کوششیں کر رہی تھی، کوئی خیر خواہ دین اگر ان کوششوں میں اس کا ہاتھ نہ بٹا سکتا تھا، تو کم از کم اسے اس موقع پر بے دینوں کے مقابلے میں اس جماعت کو زک پہنچانے کی کوشش تو نہ کرنی چاہئے تھی۔ ان ساری باتوں کے بعد اب آپ مجھ سے

۱۔ ملاحظہ ہو ترجمان القرآن شعبان ۵۸ھ (اکتوبر ۳۹ء)

۲۔ ملاحظہ ہو رسائل و مسائل جلد دوم صفحہ ۶۰۰ ـ ۵۹۲

(باقی ص ۶۳ پر)

حلقۂ یاراں

محترمی و مکرمی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا خط (۱۴ جنوری کا) ملا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ کو میرا اشاراتی مقالہ مودودی رحمۃ اللہ علیہ پسند آیا اور یہ کہ آپ اس کو شائع کر رہے ہیں۔ جب رسالہ میں چھپ جائے تو رسالہ کی ایک کاپی از راہ عنایت مجھے بھیج دیجئے۔ ممنون ہوں گا۔

آپ میرا تعارف چاہتے ہیں، تو عرض یہ ہے کہ آج کل سعودی حکومت کی وزارت صنعت میں Economic [illegible] کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ ویسے میرے لئے قابل فخر بات تو یہ ہے کہ میں امام مودودی کا دیرینہ نیاز مند اور دینی فرزند ہوں۔ [illegible] اور [illegible] کے مزاج میں بھی تبلیغی [illegible] پیدا ہوا تھا وہ سب مولانا مودودی کے فیض کا نتیجہ ہے۔ اللہ کی توفیق سے میں نے محض چند قطرے ہی سمندر مودودی سے حاصل کئے ہیں لیکن وہ ہی میری متاع زندگی ہے۔ [illegible] ہوں مگر عاقبت بخیر کا یقین بھی رکھتا ہوں۔ حسب استطاعت خدمت دین کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔

آپ نے [illegible] قلمی تعاون کی خواہش کا اظہار فرمایا ہے تو اس سلسلہ میں ایک مضمون بعنوان "حجاب [illegible] کا پردہ) - تازہ ترین تاویلات" [illegible]

کا تعلق [illegible] ملت اسلامیہ بے حجابی کا سب سے بڑا سبب [illegible] کہ یہ دنیا سے شرق و بے عریانی کو جنم دیتی ہے [illegible] پر منتج ہو کر [illegible] کو کھوکھلا [illegible] وقت شدید ہو جاتا [illegible] ہوں کہ کچھ [illegible] حضرات بھی بے حجابی کی [illegible] کر دیتے ہیں۔ سوچتا ہوں فتنہ و فساد کی [illegible] بھی اسلام کے نام پر ہے آخر امت مسلمہ کو کس [illegible] سے دوچار کرے گی؟ اللہ اہل ایمان کو بچنے کی [illegible] شر سے محفوظ رکھے آمین۔ آپ بھی دعا فرمائیں۔

والسلام

عبدالمجیب [illegible] سعودی عرب

تبلیغی نصاب پر توجہ درکار ہے۔

برادر محترم! ہدیہ سلام و رحمت!

امید کہ مزاج بفضل ربی بخیر ہوں گے۔

حیات نو کے شمارہ میں آپ نے [illegible] سماجی اصلاح و تجدید کے دو شمارے [illegible] کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اس کے لئے میرے اور یہاں کے حلقۂ احباب کی جانب سے مبارکباد قبول فرمائیے، لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ آپ [illegible] ٹھیک [illegible] کے

ساتھ دوسرے رسائل میں شائع کریں تو بہت سارے احباب اس سے استفادہ کر سکیں گے۔

تبلیغی نصاب، تبلیغی حلقوں میں خصوصاً اور پھر عام مسلمانوں میں جس تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے، اس کے سلسلہ میں ایک ضروری کام کیا کرنا ہے۔ پوری خلوص، قیمتی اور کھلے ذہن کے ساتھ اس کا بغور مطالعہ کر کے ان تمام باتوں کا جائزہ لیا جائے جو دین کے مبادیات سے متصادم ہوں۔ یہ کام جہاں بہت بڑا نازک ہے اور یہ اہل علم حضرات کا فریضہ ہے کہ اسے پوری ذمہ داری کے ساتھ قرآن و سنت رسول کی روشنی میں جانچیں۔ میری ناچیز رائے میں یہ کام آپ جیسے فہیم اور ذمہ دار افراد ہی کو کرنا ہے۔

امید کہ آپ اس سلسلہ میں ضرور پہل فرمائیں گے۔

یہاں سرکل کے تمام احباب آپ کی خدمت میں سلام عرض کر رہے ہیں۔ اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھئے گا۔

والسلام۔

عبدالرقیب صدر داؤدی بشیر سیوانک سرکل نانا شاہ

سعودی عرب کی دولت ایک فتنہ ہے

برادر مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ کچھ باتیں کافی دنوں سے لوح ذہن پر بار بار ابھر کر آتی رہتی ہیں، اور میرے خیال سے ان کا تعلق ہمارے مشن سے کچھ اس طرح سے ہے کہ ہر ایک ذہن کو اس کے پس منظر میں غور کرنا چاہئے اسی خیال کے تحت مناسب سمجھا کہ آپ کے گوش گزار کر دوں لیکن کچھ اس کے مفید نتائج برآمد ہوں۔

برادر! جیسا کہ یہ قطعی حقیقت ہے کہ انجمن کے قیام کا اولین مقصد کار خیر یا مقصد سے رابطہ قائم رکھ کر ان کی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ خدمت، اصلاح اور زیادہ وقت دین کے لئے وقف کرایا جاسکے، شاید اصل مقصد کے تعین کے وقت یہ پس منظر رہا ہو کہ جامعہ کا فرزند فراغت کے بعد جب ایک تجربہ کار کھلاڑی کی حیثیت سے اس دنیا کی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو خود کو ایک تنہا اور بے سر و سامان محسوس کر کے اپنی تمام تر صلاحیتوں سمیت ذلت کی ان گہرائیوں میں اترتا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ از اول تا آخر بچوں کی تربیت پر اس کے کردار کی شایان شان نہیں ہے۔

لیکن صاف دل سے اقرار کرنا چاہئے کہ انجمن نے حصول مقصد کے لئے اب تک کوئی موثر رول ادا نہیں کیا ہے اور اس میں بہت ساری مجبوریوں کا دخل ہو سکتا ہے۔ انجمن کے ارکان سے متعلق ایک تجزیہ یہ بھی ہے کہ جس سے مطلب برادری کی تعداد بڑھ رہی ہے اور یہ کہ اس کے متعلقات میں دیگر مدارس کے فارغین کے ساتھ جو خلا نظر آتا ہے وہ خلا برادری یا دوسرے بچے فلاحی مقاصد سے قریب تر ہیں ان کو نظر کرنے اور احساس کمتری کی دلدل سے نکالنے والے مضامین کی کمی ہے، مجھے اکثر ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے، جو بیچارے اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں، نہ جانے کیوں وہ ایسا سوچنے لگتے ہیں کہ ہماری زندگی برباد ہے، ہم کسی مصرف کے نہیں ہیں، جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کی زندگی کی ناکامی کیا ہے، یا کار آمد زندگی کے عناصر ترکیبی کیا ہیں، جواب میں کچھ نہیں ہے تو وہ یونہی مبہم اور پراگندہ ذہنی برداشت کرنے والے جوابات دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس مرض کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو چند باتوں کا انکشاف ہوتا ہے، اور پس منظر میں کچھ ایسے عوامل ملتے ہیں جو ان کے لئے بالکل نئی تھیں، ایک تو مدرسہ کی نو کاتی زندگی میں دین کی خدمت اور مجاہد بننے کا جذباتی دعویٰ جو رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا، اس کے علی الرغم،

ان کو عملی زندگی اور اس کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ دھوکے جو ایک حد تک جذباتی کہے جا سکتے ہیں ان کچا چور ہوتے نظر آنے لگتے ہیں، پھر ناپختہ کار ذہن، طالبعلمی کی زندگی کی باتوں کو ایک بچپن تصور کر کے اس سے بچنے لگتا ہے، پھر جب اس سے اس کے متعلق سوالات کئے جاتے ہیں، تو اسے ایسا لگتا ہے گویا زخم پر نمک چھڑکا جا رہا ہے۔

دوسرا خطرناک تصور جو آگے چل کر بہت مضر ثابت ہوتا ہے، وہ ہر طالب علم کا اپنی زندگی سے متعلق ایک نہایت بلند تصور کا ہے جو اپنی تعلیم سے معاشرے میں اونچے مقام کا خواب یا بیرون ملک اداروں سے تعلق کے نتیجے میں دنیوی عزت اور ترقی کا تصور ہے لیکن عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی جب ان کو یک بیک اپنا یہ شیش محل ٹوٹتا نظر آتا ہے، وہ اس صورت سے کہ عملی زندگی میں استقبال کا جو تصور باندھ رکھا تھا وہ نہیں ہو پاتا، یا دیگر ہم رکابوں کے برخلاف بیرون ملک رسائی نہیں ہو پاتی تو وہ دل برداشتہ ہو کر خود کو، اپنی قسمت کو کوسنے لگتے ہیں، اور مستقبل ان کو بھیانک نظر آنے لگتا ہے، نتیجۃً احساس کمتری کا شکار ہو کر گمنام ہو جاتے ہیں پھر زندگی کے اعلیٰ مقاصد بھی اپنا راستہ ناپتے نظر آتے ہیں۔

برادرم! اس سے متعلق اتنا کہنے دیجئے کہ ایسا ہونا بھی امر ممکن نظر آتا ہے، یہی بات جہاں تک کارکنان تحریک کی طرف سے یہ جو خیر مقدم کا ہے وہ کسی وجوہات سے نہیں ہو پاتا۔ اور وہ کس حد تک ضروری ہے یہ ایک الگ سوال ہے، اب دیکھئے اس جگہ اساتذہ اور بزرگوں کے پیدا کردہ ذہنیت کا میدان عمل کے اندر تک کا سفر کو ہو گیا ذہنی کے اثرات کافی حد تک ثابت ہوتے ہیں۔

اس سے متعلق میرا خیال ہے کہ دونوں میدانوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ وہ کہ طالب علمی زندگی محض تصوراتی اور طلسماتی نہ ہو بلکہ حقیقت سے ہم آہنگ ہو، دوسری طرف کارکنان تحریک کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے کہ ان جوہروں کی قدر کریں ان ناپختہ کاروں کو مستقبل کا ذخیرہ سمجھ کر حفاظت سے سنبھال کر رکھیں، ٹھکرائیں نہیں، کیونکہ جانے کتنے شرارے جو بھڑک اٹھنے کی قوت رکھتے ہیں ہوا نہ پانے کی وجہ سے راکھ تلے دب کر سرد ہو جاتے ہیں، اس میں تحریک ہی کا تو خسارہ ہے ایسا کرنے سے فارغ کا ذہن کوئی دھچکا کھائے بغیر ایک سوچی سمجھی راہ پر گامزن رہتا ہے۔

دوسری بات ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچئے پہلے آپ ہمیں بتائیں آپ کا کوئی شناسا جو بیرون ملک کی مادہ پرستانہ زندگی کی ہوا کھا چکا ہو کیا تحریک کا خادم بن سکا ہے؟ اور خالص عقلی بنیادوں پر غور کیجئے، کیا دولت اور دولت کی غلامی، یا وہ جذبہ ہوس جو باہر پہلا قدم رکھنے پر اکساتا رہتا ہے، کبھی ایسی ذہنیت تحریک کے حق میں مفید ثابت ہوئی ہے؟ آپ تو اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز پر نظر رکھتے ہیں۔ پھر کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو بھی اس دنیائے دنی کے دام فریب میں آ گیا ہے، اس سے دامن چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، کیا ایسے لوگ جو باہر کے ہو کر رہ جائیں، انھوں نے مقاصد سے انحراف نہیں کیا ہے۔ ان ساری حقیقتوں کے باوجود نہ جانے کیوں انجمن کا آرگن ایسے لوگوں کو ممتاز مقام دیتا ہے اور انھیں بڑے فخر کے ساتھ شائع کرتا ہے

جبکہ اس سے دو گونہ نقصانات ہیں:—

ایک یہ کہ وہ ذہن جس نے حالات اور ماحول سے سمجھوتہ کر کے معمول کے مطابق فرائض زندگی کی بجا آوری میں مصروف ہے، ایسی چیزوں سے وہ منفعل ہوتا ہے اور اپنے کو مرعوب بنا لیتا ہے۔

دوسری طرف وہ کھینچا جاتا ہے جن سے ایک

منصوبے کے تحت ڈالروں پر بکنے کے بجائے اپنی ہوائے نفس کو کچل کر اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ ہمارا ہندوستان ہی ہماری صلاحیتوں کا حقیقی حقدار ہے، اور جو فی الحقیقت قحط رجال میں مبتلا ہے۔

برادرم! اس کو نہ بھولئے، دولت بہت بڑی آزمائش ہے، مجھے اخوان المسلمین سے متعلق کسی مفکر کا یہ قول مبنی برحقیقت نظر آیا کہ ــــ "ناصر کی سزاؤں سے اخوان کو وہ نقصان نہیں پہنچا جو جلالۃ الملک کے ڈالروں نے دیا ہے"۔ آج وہی سانحہ ہم اپنے ملک اور تحریک کے ساتھ دیکھ رہے ہیں، بہترین صلاحیت والے صلاحیتوں کو گروی رکھ کر کنگال بنے گھومتے ہیں، اور نوٹ کر لیجئے کہ جو پرندہ بھی ایک بار سونے کے پنجرے میں گیا، وہ لوٹ کر آنے کا نام نہیں لیتا۔

محترمی! اس طول کلامی کا تحصیل حاصل محض اتنا ہے کہ آپ اپنے آرگن کے ذریعے ان بھائیوں کی طرف توجہ دیں جو فی الواقع عملی زندگی میں تگ و دو کر رہے ہیں ان کی قدر کیجئے، یہی اصل سرمایہ ہیں، کیونکہ میدان کار میں وہ سوز دروں سرمایہ ہوتا ہے جو عشق ربانی سے ماخوذ ہے، خواہ علم سے کنگال ہی کیوں نہ ہو۔

شیطان بڑی خوبصورت تاویلات سے راہ حق کے مسافروں کو بھٹکاتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ان کے احساس کمتری کو دور کیا جائے، اور ان کے موقف کے مطابق مضامین شامل اشاعت کئے جائیں۔ والسلام

مقبول احمد فلاحی

۴۴ بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو رسالت مآب نے قائم کیا تھا، شریک ہیں۔
(علامہ اقبال ۳ - ۱۹۱۰ء)

بقیہ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی (ص ۵۹ سے آگے)

کہتے ہیں کہ ہم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں ــــ دشمنی کا ہاتھ تو ادھر سے بڑھتا رہا ہے اور اب بھی بڑھا ہوا ہے، دوستی کا ہاتھ آخر کہاں جا کر اس سے ملے؟ افسوس کہ ان کے ہاں کا "اکرام مسلم" بھی حقوق و حدود کے علم برداروں کے لئے ہے، ہمارے لئے نہیں ہے، اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ حضرات یہی سوچیں کہ جس طرح وہ مجھے اور جماعت اسلامی کو مطعون فرماتے ہیں، اسی طرح میں بھی ان کو اور ان کی جماعت کو مطعون کرنا شروع کر دوں، تو آخر کار اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ عام لوگوں کی نگاہ میں دونوں ہی ساقط الاعتبار ہو کر رہ جائیں گے، اور دین کا کام کرنے کے لائق نہ ہم رہیں گے، نہ وہ۔ یہی کچھ نتائج دینی جماعتوں کے ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے اور ایک دوسرے کی بیخ کنی کرنے سے برآمد ہو سکتے ہیں، اس کا حاصل بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ بحیثیت مجموعی تمام اہل دین کی عزت اور ان کا اعتماد عوام کی نگاہ میں ختم ہو جائے، اور لادینی تحریکیں اس سے فائدہ اٹھائیں۔ میری حیرت ہے کہ میں صبر کے ساتھ ان حملوں کو سہتا رہا ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ اگر میں ان حضرات کو مطعون کرنے پر اتر آؤں، تو ان میں سے کوئی صاحب بھی زبان و قلم سے کلام نہیں فرماتے ہیں کہ گرفت کرنے کے لئے کہیں کوئی گنجائش مجھے نہ ملے۔

مسلمان اور دنیا کی دوسری قومیں :-

مسلمان اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری قوموں کے تصور سے بالکل مختلف ہے، ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے، نہ اشتراک وطن، نہ اشتراک اغراض اقتصادی ۴۴

جامعہ کے لیل و نہار

جامعۃ الفلاح میں ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی آمد

۲۶ر فروری کو عالم اسلام کے ممتاز عالم دین، قرآن و حدیث اور عربی ادب پر عمیق نظر رکھنے والے ڈاکٹر تقی الدین ہلالی جامعۃ الفلاح تشریف لائے، آپ کی آمد پر جامعۃ الفلاح کے ذمہ داروں نے ایک شاندار تقریب کا انعقاد کیا، جس میں مہتمم جامعہ مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی ندوی نے آپ کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا، اور مولانا موصوف کی علمی و دینی خدمات کو سراہا، طلبہ کی طرف سے سکریٹری جمعیۃ الطلبہ نے کلمات تشکر اور برادر محی الدین نے کلمات ترحیب پیش کئے، آخر میں ڈاکٹر موصوف نے جامعہ میں اپنی تشریف آوری پر مسرت کا اظہار کیا، آپ نے فرمایا کہ ہندوستان جیسے پسماندہ ملک میں ذرائع و وسائل کے فقدان کے باوجود آپ حضرات نے علم دین کی جو شمع جلا رکھی ہے، وہ بالآخر تاریکیوں کو شکست دے گی، یہاں علم و ہدایت کا بول بالا ہوگا اور عالم اسلام کے مسلمان آپ کی طرف متوجہ ہوں گے آپ نے علم اور علماء کی فضیلت و اہمیت کو احادیث کی روشنی میں بتائی، اسٹیج سکریٹری اور ترجمان کے فرائض مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے انجام دئے۔

شام کو آپ نے عوام کے ایک جم غفیر سے خطاب عام بھی فرمایا۔

اجلاس تعلیمی کمیٹی

۱۳ اور ۱۴ر جون کو تعلیمی کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں مولانا سید حامد علی صاحب، مولانا افضل حسین صاحب قیم جماعت جناب شمشاد رحمان صاحب پرنسپل اینگلو عربک کالج دہلی، مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی ناظم جامعہ اور صدر مدرس مولانا شبیر احمد اصلاحی شریک ہوئے اور نصاب تعلیم میں اصلاحات اور تبدیلیوں پر غور و خوض ہوا جس کا ابھی تک اعلان نہیں کیا گیا ہے۔

شام کو مولانا سید حامد علی صاحب نے بلریا گنج جونیر ہائی اسکول میں خطاب عام بھی کیا۔

سالانہ امتحان

۲۳ر جون سے سالانہ امتحان شروع ہو کر ۵ر جولائی کو ختم ہو رہا ہے، طلبہ ۸ر جولائی کو اپنے اپنے گھروں کو جاسکیں گے۔

انس گل

ڈنمارک میں دستور دھیا کم ہوتا ہے، دو افراد میں لڑائی ہو، ایک گر پڑے اور ہاتھ اٹھا دے تو دوسرا ایک لمحہ اسے گلے لگائے اور تھپتھپا کر خدا حافظ کہے گا، چلتے چلتے ایک کے جسم کا کوئی حصہ کسی اور آدمی سے ٹکرا جائے تو الٹا وہ شخص "انس گل" (معاف کیجئے) کہے گا، کئی بار ہمارے بھائی اس سے ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ (ماڈرن ان لنڈن - جاوید اقبال)

حفیظ میرٹھی

غزل

یہ غزل جناب حفیظ میرٹھی نے انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کے پہلے کنونشن کے موقع پر پڑھی تھی ـــ ادارہ

جانے کتنے ہنگاموں کی اس میں سمائی ہوتی ہے
سناٹے کی گہرائی بھی کیا گہرائی ہوتی ہے

ہم نے دل کے داغ چھپائے مسکانوں کے پھولوں سے
سن رکھا تھا چہرے سے بھی غم پیمائی ہوتی ہے

اپنے آپ سے کیا مل پاتے ایسے بھیڑ بھکے ہیں
عمر اسی امید میں گذری اب تنہائی ہوتی ہے

ایسے موقع پر مت چھونا بھول کے اپنے دامن کو
اس سے رونے والے کی بہت رسوائی ہوتی ہے

اُن کے تغافل کی ہیں جب بھی اُن سے شکایت کرتا ہوں
کہتے ہیں اپنوں کیلئے ہی بے پروائی ہوتی ہے

واعظ بھی آرام طلب ہیں قائد بھی آرام طلب
راہبری تو مشکل ہے یاں راہ نمائی ہوتی ہے

درباری ماحول میں جینا مشکل ہے ہم لوگوں کا
یا تو دم گھٹ جاتا ہے یا تلخ نوائی ہوتی ہے

جو محسوس کیا کہہ بیٹھے سیدھے سادھے لفظوں میں
ہم دیوانے کیا جانیں کیا شے دانائی ہوتی ہے

دل کا خون قلم سے ٹپکے تب تو ہے کچھ بات حفیظ
یوں ہونے کو کتنی ہی خامہ فرسائی ہوتی ہے